جلد 2 شمارہ 11 جنوری 2001ء شعبان المعظم 1402ھ
قُلْ اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ (الرعد)
آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔
اللہ
ماہنامہ
آدمیت
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار
گوجرانوالہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ
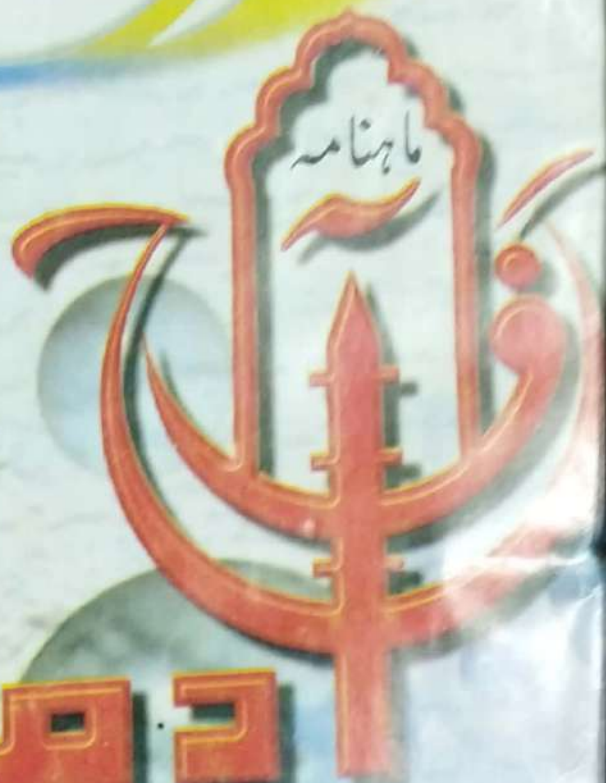
اس شمارے میں

اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت پہ تفکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ذہن انسانی پہ آشکار ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ کے دلائل کے لئے بھی کائناتی مشاہدات کو ہی پیش کیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی بھی شخص اللہ کے نظام ربوبیت پہ تھوڑا سا بھی غور کرے گا تو یقیناً" وہ ایمان کی بیش بہا وجدانی کیفیات سے ضرور مستفیض ہو گا۔ ایک غیر مسلم مفکر نے جب انسانی کان کی ساخت پر غور کیا تو بے اختیار پکار اٹھا۔

He Who planted ears shall he not hear?

(کیا جس خدا نے یہ کان بنائے ہیں وہ خود صفت سماعت سے محروم رہ سکتا ہے؟)

غور فرمائیے ایک غیر مسلم بھی اللہ کی صفت سمیع کا قائل ہو گیا۔

اسی طرح کئی مفکرین کائنات پہ غور و فکر کر کے اللہ کی ذات پہ ایمان لائے۔ ذیل میں چند اہل فکر کے بیانات ملاحظہ کیجئے۔

1۔ "چونکہ اس کائنات میں قدم قدم پر فکر و دانش کی شہادت ملتی ہے۔ اس لئے ہم اسے فکر و دانش کی تخلیق سمجھنے پر مجبور ہیں" (سر جیمز جینز)

2۔ "اگر ہم صحیح خطوط پر سوچیں تو سائنس ہمیں خالق کا وجود تسلیم کرنے پر مجبور کر دے گی" (ڈاکٹر ڈیوڈ شار)

3۔ "باشعور زندگی جس کا دھارا ازل سے ابد کی طرف رواں ہے فطرت کا بہت بڑا راز ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس پر نیز کائنات کی حیرت انگیز ساخت پر غور کریں اور اس دانش اعلیٰ کا سراغ لگائیں جس کا اظہار فطرت کے ہر منظر سے ہو رہا ہے" (آئن سٹائن)

4۔ "جب وہ انسان فطرت کے حیرت انگیز نظم و نسق پر غور کرتا ہے تو علماء و عوام سب ایک خالق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ہماری یہ دنیا ایک دلکش ناول کی طرح ہے۔ جس کی کہانی ہم بایں امید پڑھ رہے ہیں کہ شاید ہمیں اس کا پلاٹ بھی معلوم ہو جائے۔ پلاٹ کی گریز پائی ہمارے شوق تجسس میں اضافہ کرتی ہے اور بل آخر یہی شوق ہمارے ایمان کا جزو بن جاتا ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ یہ تاریکی جس میں تخلیق کائنات کا راز مستور ہے۔ خدا کے عظیم پلان کا ایک حصہ ہے"

(سر آرتھر کیتھ)

یہ ایک قرآنی حقیقت ہے (جو مذکورہ بالا بیانات سے بھی ظاہر ہوتا ہے) کہ کائنات پہ غور و فکر اور

تخلیق کرنے سے اللہ کی ذات پہ ایمان اور عرفان میں یقیناً اضافہ ہو گا۔ ہمارے علماء و عوام نے ان ذہنی و فکری پہلوؤں کو صدیوں سے نظرانداز کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے اللہ پہ کامل یقین قائم نہیں ہو پایا۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

اللہ نور السموات والارض

"یعنی اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے"

اس آیت مبارکہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کائنات سے بہت ہی قریبی تعلق قائم ہے۔ لہٰذا یہ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم آسمانوں اور زمین پہ کس قدر تفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب حاصل کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ اللہ کی تخلیقات پہ غور و فکر کرنے سے اللہ کی عظمت کا احساس اور قرب و محبت کا تعلق انسانی قلب و شعور میں پیوست و بیدار ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ اللہ کو ہر وقت اپنے قریب اور حاضر و ناظر جان کر اس کے وحی کئے ہوئے احکامات کی نافرمانی سے بھی گریز کرتا ہے۔ یعنی تقویٰ والی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔

مسلمانوں کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے علماء حضرات نے اللہ کے نظام ربوبیت پہ کما حقہ غور و تدبر نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت سے محروم ہیں۔ ابھی تک ان میں متکلمانہ بحث جاری ہے کوئی کہتا ہے کہ خدا عرش پہ مقیم ہے اور وہیں سے مخلوق کے حالات سے فرشتوں کے ذریعے سے معلوم کرتا ہے تو کوئی وحدت الوجود کا قائل ہے۔ وہ علمی موشگافیاں جو صدیوں پہلے مسلمانوں کے زوال کا سبب بنیں، ابھی تک ہمارے علماء انہیں مباحث میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے نظام ربوبیت اور کائناتی اور تخلیقی فارمولوں پہ کبھی غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس لئے ہمارے علماء خالص توحید اور صفات باری تعالیٰ کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

عرش و کرسی کی وسعت کا تذکرہ خود قرآن کریم میں آتا ہے۔

وسع کرسیہ السموات والارض

"اس کے عرش و کرسی میں آسمان و زمین شامل ہیں"

واللہ علی کل شی شہید (اور اللہ ہر شے کو دیکھتا ہے)

وھو علی کل شی محیط (اس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے)

ومایعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذلک ولا اک

الا فی کتب مبین O

"زمین و آسمان کا کوئی ذرہ (ایٹم) ذرے سے چھوٹا (پروٹان 'نیوٹران) یا اس سے بڑا (مالیکیول) تیرے رب کی نظر سے مخفی نہیں۔ یہ چیز اس کی کھلی کتاب میں درج ہے" (یونس-61)

وھو معکمہ اینما کنتم "وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو"

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے بہت قریبی تعلق ہے

بٹھا کہ عرش پہ رکھا ہے تونے اے واعظ
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

(علامہ اقبالؒ)

اللہ کے نظام ربوبیت پہ غور و فکر کا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ وہ پاک ذات اپنی مخلوق سے بے انتہا محبت کرتی ہے اور اسے اپنا قرب بخشنے کی خواہاں ہے۔

اس کے برعکس علماء حضرات ہر وقت مسلمانوں کو اللہ سے ڈراتے رہتے ہیں اور اللہ کی محبت کے پہلو کو بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں اسی لئے مسلمان ایسے علماء سے بدظن ہوتے جا رہے ہیں اور اسلامی زندگی اختیار کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ واللہ روف بالعباد

"جو لوگ خود کو اللہ کی رضا کی خاطر وقف کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان بندوں سے کمال شفقت سے پیش آتے ہیں"

حدیث مبارکہ ہے کہ

من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاء

"جو شخص اللہ تعالیٰ کے قرب و وصال کا مشتاق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قرب و وصال کا مشتاق ہوتا ہے"

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآنی تعلیمات کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اتباع رسول ﷺ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

(والسلام عبدالقیوم ہاشمی)

(پروفیسر قاضی حلیم فضلی)

غصہ، بدزبانی، بدگوئی اور انتقام

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ

ترجمہ: "وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب انہیں غصہ آجائے تو وہ اس کا اظہار زبان و عمل سے نہیں کرتے، بلکہ درگذر اور معافی سے کام لیتے ہیں" (الشوریٰ ۳۷)

تفسیر و تشریح

سورہ شوریٰ کی اس آیت نمبر ۳۷ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی مختلف دوسری صفات اور اخلاق بیان فرما کر مزید تین خوبیاں فرمائی ہیں کہ اہل ایمان بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں۔ فحاشی اور بے حیائی سے جان بچاتے ہیں اور یہ کہ جب انہیں غصہ دلانے کی کوشش کی جاتی ہے یا انسانی فطرت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر غصہ آبھی جائے تو مشتعل ہو کر اس کے زبانی اور عملی اظہار کی بجائے اس موقع پر معافی اور درگذر سے کام لیتے ہیں۔ ایمان والوں اور خدا کی پسندیدہ انسانی صفات کی دوسری خوبیوں سے قطع نظر جن کا ذکر دوسرے کسی موقعہ پر کیا جائے گا، آج اس مضمون میں غصے، بدکلامی، بدزبانی اور اس کے تحت انتقامی کاروائی پر اظہار خیال مقصود ہے کہ یہ عادت اسلام کی روشنی اور قرآنی ہدایت کے خلاف ہی نہیں بلکہ اس سے خود انسان کی اپنی شخصیت اور اپنا دماغی سکون بھی تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور پھر غصے، گالی گلوچ بدگوئی اور انتقامی جذبات انسان کی معاشرتی، خاندانی، گھریلو زندگی اور سماجی زندگی کے لئے بھی انتہائی برے نتائج اور اثرات کا باعث ہوتے ہیں۔ بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو خدا کے دین کی سربلندی، اس کے نفاذ اور خدا کی طرف لوگوں کو بلانے کے مقدس مشن کو اپنی زندگی کا مقصود اور مطلوب بنائیں اور شبانہ روز اس میں مصروف رہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جب بھی اپنا مشن رسالت و نبوت لے کر اٹھے تو ہمیشہ ہر طرف سے ان کی مخالفتوں کے طوفان اٹھائے گئے، انہیں سازشوں کا نشانہ بنایا گیا، ان پر مذاق و تضحیک کے تیر برسائے گئے تہمت طرازیوں اور الزام تراشیوں کا غبار اڑایا گیا۔ ان کی ذات، ان کے مشن، ان کی تعلیمات و افکار اعتراضات کی بوچھاڑ برسائی گئی۔ قتل کے فیصلے ہوئے۔ ان کی تحریک کی راہ میں روڑے اٹکائے گئے

غرض وہ سب کچھ کیا گیا اور ہوتا رہا جس سے ایک انسان کی ہمت' حوصلے اور عزم کو پست کرنے اور اسے ہار ماننے پر مجبور کیا جا سکتا تھا اور انہیں غصہ دلا کر انتقامی کاروائیوں پر اکسا کر خدائی' دینی اور حق کی جنگ کو ذاتی' شخصی اور قومی لڑائی میں بدلنے کی سعی کی گئی تاکہ دین کی بات' خدا کی بات اور کار نبوت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اختلافات قومی عصبیت کا روپ دھار سکیں اور گروہی جھگڑے کی شکل اختیار کر کے گروہی و قبائلی تصادم کے حوالے ہو کر رہ جائیں۔

سورہ حم السجدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ولا تستوی الحسنہ ولا السیئہ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم ـ وما یلقھا الا الذین صبروا وما یلقھا الا ذوحظ عظیم واما ینزغنک من الشیطن نزغ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم

نیکی اور بدی یکساں نہیں' تم برائی کو نیکی سے دور کرو جو بہترین ہو' اگر ایسا کیا تو تم دیکھو گے کہ تمہارے دشمن بھی تمہارے جگری دوست بن جائیں گے۔ یہ صفت صرف صبر کرنے والوں کو نصیب ہوتی ہے اور یہ مقام صرف نصیب والوں کو حاصل ہوتا ہے اور اگر شیطان کسی کی طرف سے برائی پر تمہیں اکسائے تو تم خدا کی پناہ مانگو۔ خدا بے شک سننے والا اور جاننے والا ہے۔

سب سے بلند درجہ خود نیک کام کرنے اور دوسروں کو نیکی کی طرف بلانے کا ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے کا ماحول ایسا تھا کہ کفار مکہ ہٹ دھرمی پر اترے ہوئے تھے۔ ہر طرح کی جارحانہ مخالفت پر کمربستہ تھے' اخلاق اور انسانیت یا شرافت کی کوئی حد نہ تھی۔ ایسے ماحول میں انہیں اور ان ایمان لانے والوں کو یہ نصیحت دی گئی اور یہی نصیحت آج بھی اور ہر زمانے میں بھی اتنی ہی سچی ہے اور اس کے نتائج واثرات ہر زمانے میں وہی ہیں کہ بدی کا مقابلہ نیکی سے کرو اور نیکی بھی اعلیٰ درجہ کی ہو۔ برائی کو معاف کرنا صرف نیکی ہے مگر برائی کے بدلے میں اس پر احسان کرنا اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے جس کے نتیجے میں بدترین دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔ گالی کے جواب میں خاموشی اختیار کرنا بے شک نیکی ہے مگر اس سے اس کی زبان بند نہ ہوگی۔ آپ دعائے خیر کریں گے تو بڑے سے بڑا دشمن بھی خواہ وہ کتنا ہی بے حیا اور بد فطرت ہوگا وہ شرمندہ ہو کر رہ جائے گا۔ پھر مشکل سے اس کی زبان بدکلامی پر کھلے گی۔ ہو سکتا ہے وہ زیادہ دلیر بھی ہو مگر آپ اسے نقصان سے بچائیں گے تو قدموں میں گر پڑے گا۔ بعض خبیث ایسے ضرور ہونگے کہ آپ ان کے ساتھ کتنا ہی احسان کریں درگذر سے کام لیں۔ ان کے نیش عقرب کا زہریلا پن کم نہ ہوگا۔ مگر ایسے شر مجسم کم پائے جاتے ہیں۔

برائی کے بدلے میں نیکی کا یہ نسخہ آسان نہیں' اس کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ بڑے عزم' حوصلے اور قوت برداشت کی ضرورت ہے۔ ایک آدھ واقعہ پر ایسا ہو سکتا ہے' لیکن سالہا سال

تک اکٹھا رہن سہن ہو تو برے لوگوں کی برائی پر نیکی اور احسان کا رویہ اختیار کرنا مشکل ہے۔ یہ معمولی آدمی کے بس کا کام نہیں۔ یہ کام وہی آدمی کر سکتا ہے جو ٹھنڈے دل سے حق کی سربلندی کا پکا ارادہ کر چکا ہے۔ جس نے پوری طرح نفس کو عقل و شعور کے تابع کیا ہو اور جس کے اندر نیکی اتنی جڑ پکڑ چکی ہو کہ مخالفین کی کوئی شرارت اسے اس کے بلند مقام سے نہ گرا سکے۔ یہ ممکن نہیں کہ گھٹیا درجے کے لوگ اپنی کمینہ چالوں سے اور ذلیل ہتھکنڈوں سے اسے شکست دے سکیں۔

شیطان کو سخت کوفت ہوتی ہے کہ کمینگی کا بدلہ شرافت سے اور بدی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ نیکی کے پرستار بھی برائی پر اتر آئیں تاکہ وہ کہہ سکے۔ دیکھئے برائی یکطرفہ نہیں دو طرفہ ہے دوسرے بھی تو رکیک حرکتیں کر رہے ہیں۔ اس طرح مخالفین کو بھی سخت بات کا جواب ہزار گالیوں سے دینے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ شیطان کے فریب سے ہوشیار رہو' وہ اشتعال پیدا کرے گا۔ دوسروں کے ذریعہ منہ توڑ جواب کے مشورے دے گا۔ ایسے مشوروں پر خبردار رہو اور نفس کو قابو میں رکھو اور خدا سے پناہ مانگو۔

سورہ آل عمران میں جنت کے مستحق لوگوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ **والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین** جنت خدا ترس لوگوں کا حق ہے جو اپنے غصے کو پی جاتے ہیں۔ دوسروں کے قصور معاف کرتے ہیں اور خداوند تعالیٰ معاف کرنے والوں کے ساتھ ساتھ معافی کے علاوہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص انہیں بے تحاشا گالیاں دے رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خاموشی سے سنتے رہے اور حضور ﷺ پاس بیٹھے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ آخر کار حضرت ابوبکر صدیقؓ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ انہوں نے بھی جواب میں سخت بات کہہ دی' جسے سنتے ہی حضور ﷺ پر انقباض کی کیفیت طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ فوراً اٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اٹھ کر پیچھے ہو گئے۔ راستہ میں شکایت کی کہ وہ شخص مجھے گالیاں دے رہا تھا تو آپ خاموشی سے مسکرا رہے تھے' مگر جب میں نے ایک بات کہہ دی تو آپ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جب تک تم خاموش تھے تو فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا۔ جب تم خود بول پڑے تو فرشتہ چلا گیا اور شیطان اس کی مدد کو آ پہنچا۔ اب میرے لئے شیطان کی موجودگی میں بیٹھنا اچھا نہ تھا اس لئے چلا آیا۔ (مسند احمد' راوی ابوہریرہؓ)

مخالفتوں کے طوفان میں صبر و سکون سے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ میرے ناجائز سلوک سے بے خبر نہیں۔ وہ جانتا ہے اور سنتا بھی ہے۔ اسی بھروسے پر مومن دشمنوں کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیتا ہے۔ قرآن کریم میں پانچ مقامات پر برائی کے بدلے میں نیکی کی یہ حکمت اور نصیحت بیان کی گئی ہے۔ سورہ

الاعراف ' حواشی ۱۴۹ ' ۱۵۳ ' تفہیم القرآن جلد دوم۔ سورہ النحل ۱۲۲ ' ۱۲۳ ' تفہیم القرآن جلد دوم ' سورہ المومنون ۸۹ ' ۹۰۔ سورہ العنکبوت حواشی ۸۱ ' ۸۲۔ جلد سوم تفہیم القرآن۔

حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے تین بار پوچھا کہ میں کتنی دفعہ اپنے نوکر کو معاف کروں۔ حضور ﷺ خاموشی اختیار فرماتے رہے۔ آخر فرمایا۔ دن میں ستر بار اس کی غلطی پر اسے معاف کرو۔ (جامع ترمذی ' راوی عبداللہ ابن عمرؓ) حضرت ابوذرؓ سے فرمایا۔ جب تمہیں کسی بات پر غصہ آ جائے تو کھڑا ہونے کی حالت میں بیٹھ جاؤ۔ بیٹھے ہو تو لیٹ جایا کرو۔ (مسند احمد۔ جامع ترمذی)۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دوزخ کی آگ اس پر حرام ہوتی ہے جو مزاج کا تیز نہ ہو۔ (عبداللہ ابن مسعودؓ۔ ابوداؤد۔ ترمذی) پھر آپؐ نے فرمایا۔ جو شخص اپنے غصے کا انتقام لینے کے باوجود اسے پی جائے اسے قیامت کے دن حوروں کے انتخاب کی اجازت ہوگی۔ (معاذ بن جبلؓ ' سنن ابی داؤد ' جامع ترمذی)

دوسرے موقعہ پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی طاقتور اور پہلوان نہیں جو لوگوں کو دباتا ہو ' مغلوب کرتا ہو۔ طاقتور تو وہ ہے جو نفس پر قابو رکھے اور اپنے غصے کو روکے۔ (حضرت ابو ہریرہؓ)۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب غصہ آ جائے تو وضو کر لیا کرو اور اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھو۔ (بخاری و مسلم)۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا۔ تین باتیں حق ہیں۔ (۱) کسی کی زیادتی اور ظلم کو خدا کے لئے معاف کر دے بدلہ نہ لے۔ خدا بدلے میں مدد فرمائے گا۔ آخرت میں درجہ بلند ہوگا۔ (۲) صلہ رحمی کرتا رہے (۳) کسی سے سوال نہ کرے۔ (مسند احمد)

خدا کے سامنے قیامت کے دن سب سے کم مرتبہ والا شخص وہ ہوگا جس کی بد زبانی و بد کلامی سے لوگ ڈر کر اس سے ملنا چھوڑ دیں۔ (بخاری و مسلم)۔ حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ نے فرمایا۔ تمام اعضاء سے زیادہ عذاب زبان کو ہوگا کہ اس کی بات مشرق و مغرب تک پھیلتی ہے۔ (ابو النعیم)

انسانی فطرت

انسانی فطرت ہے کہ اس کے ساتھ نیکی کی جائے تو اس کا بدلہ تو کیا اسے یاد بھی نہیں رکھتا مگر برائی ہو جائے تو انتقام پر فوراً آمادہ ہو جاتا ہے اور انتقام کا جذبہ اسے ایسا اندھا کر دیتا ہے کہ اسے فاعفوا واصفحوا اور کاظمین الغیظ کی قرآنی اور خدائی نصیحت بھول جاتی ہے۔ سعدی شیرازیؒ نے بھی خوب فرمایا۔ اگر مروی احسن الی من اساء انسانی فطرت کا قانون خدا کے قانون کے برعکس ہوتا ہے کہ نیکی کا بدلہ بقدر نیکی دے گا۔ بشرطیکہ اسے توفیق مل جائے مگر بدی اور برائی کا بدلہ دس گنا لے کر بھی غصے کی آگ نہیں بجھتی۔ خدائی قاعدہ اور قانون یہ ہے کہ معافی ' نیکی غصے اور انتقام کے جذبے اور راستہ کو روکتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دانا آدمی غصے کو ٹالتا ہے مگر بے وقوف ' جاہل اور نادان

لوگ اسے بھڑکاتے ہیں۔ غصے کا اگلا قدم انتقام ہوتا ہے اور یہی جذبہ انتقام ہوتا ہے جس سے سلطنتیں
ہوتی ہیں، خاندان برباد ہوتے ہیں، زندگی کے تمام پروگرام منقطع ہوتے ہیں اور انتقام غصے کی سب ا
سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اپنے فائدے کو مدنظر رکھو تو چاہیے کہ ہم برائی کرنے والے کے مثیل یا
سے بدتر نہ بنیں۔

انتقامی جذبات رکھنے والے لوگ اپنی اپنی توفیق کے مطابق اور صلاحیتوں کے موافق انتقام لیتے ہیں
ایک جاہل۔ طاقتور شخص اس جذبہ کے تحت اپنے حریف کو کچلتا ہے۔ ذہین اور چالاک آدمی اپنے حریف
ناگہانی آفتوں میں مبتلا کرتا ہے، بدنام کرتا ہے، اس کی عزت اور شہرت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ روپیہ خرچ
کر کے قاتلوں اور ڈاکوؤں کا سہارا لیتا ہے اور انہیں کے ذریعہ اپنے مخالفوں کو ایذا دیتا ہے۔ ارباب اختیار ا
حکومت جھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے جیل کی ہوا کھلاتے ہیں۔ کوئی شاعر ہے تو وہ لکھ کر غصے کی آگ
ٹھنڈا کرتا ہے اور منظوم گالیاں لکھتا ہے۔ اخبار نویس ہے اخبار کے صفحات میں کسی کے دامن شہرت
داغدار کرتا ہے۔ غرض غصہ اور انتقام ایک ایسی انسانی فطرت ہے جس کی آگ ہر طرف اور معاشرے
ہر طبقے میں بھڑک کر معاشرے کو بھسم کر دیتی ہے۔ ایک امیر سے فقیر تک، رشتہ دار رشتہ دار سے
دوست دوست سے ہر کوئی بدی کا انتقام لینے پر آمادہ رہتا ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو زور بازو رکھتے ہیں نہ دولت اور حکومت، نہ ان کے منہ میں زب
رہتی ہے، نہ ہاتھ میں قلم، ایسے بے کسوں کا جب دل دکھتا ہے تو وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، ان کے
سے آہ نکلتی ہے اور بقول شیخ سعدیؒ اس آہ کی قبولیت کے لئے اجابت خود حق کی طرف سے استقبال
لئے آتی ہے اور خدا کا یہ انتقام ایسا ہوتا ہے جسے کوئی بھی نہیں ٹال سکتا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا یہی ارشاد ہے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو، صبر و تحمل سے کام لوا
برائیوں کو نیکیوں کے ذریعہ اپنے آپ سے دور رکھو۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو خون کے پیاسے بھی جگر
دوست بن جائیں گے، لیکن بلند مقام اور اونچا مرتبہ حوصلے اور صبر والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر کسی
صبر و تحمل کی عادت پڑ جائے تو خود احساس ہو گا کہ

در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

انسانی زندگی ہزاروں تلخیوں سے پاک ہو گی۔

واقعات و امثال

اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی، مالی، اجتماعی، علمی اور حکومتی طاقت بخشی ہے تو اسے چاہیے کہ خ
کے دیئے ہوئے ان عطیات کو غصے، گالی، بدزبانی اور بدگوئی سے آلودہ کر کے ان کی توہین نہ کرے

حضرت علیؓ ایک جنگ میں دشمن کے سینہ پر چڑھ بیٹھے' قریب تھا کہ اس کے سینے میں خنجر بھونک دیتے کہ دشمن نے آپ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ آپ فوراً سینے سے اتر آئے۔ دشمن اس غیر متوقع اور بے محل عمل پر حیران رہ گیا۔ وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ پہلے تم سے خدا کے لئے لڑائی و دشمنی تھی تمہارے تھوکنے سے میرا ذاتی غصہ اس لڑائی میں شامل ہو گیا۔ اس لئے میں ذاتی غصے اور جذبہ انتقام کو تمہارے قتل میں شامل کرنے کی بجائے تجھے چھوڑ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ ان کی معافی' درگذر اور ذاتی غصے پر انتقام نہ لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمان ہو کر کفار سے لڑتا رہا۔ خدا کا فرمانا سچ ہے کہ بدی کے بدلے میں معافی سے دشمن دوست بن جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا۔ وہ دن بھر محنت مشقت کرتا' شام ہوتے ہی سامان سمیٹ کر شراب و کباب خرید کر رات بھر دو چار دوستوں کے ہمراہ دھما چوکڑی مچاتا اور بار بار یہ شعر پڑھتا۔ "لوگوں نے مجھ ایسے بہادر کو جو دشمنوں کے منہ پر تلواریں مارتا ہے' کھو دیا' ضائع کر دیا" امام ابو حنیفہؒ اس کی شراب نوشی اور مستی میں آکر اس کے شور و غل اور بیہودہ گوئی سے بہت تنگ تھے' وہ خاموش رہے' اگر وہ چاہتے تو اس کی گالی گلوچ' شور و غوغا اور ہنگامہ آرائی کا علاج آسان تھا کہ شہر کا ہر چھوٹا بڑا انکی عزت کرتا تھا' مگر امام صاحبؒ خاموش رہتے' صبر و تحمل سے کام لیتے تھے۔ ایک رات سپاہی گشت کرتے ہوئے ادھر نکل آئے۔ انہوں نے یہ ہنگامہ اور غوغا آرائی سنی تو موچی کے گھر دھاوا بول دیا۔ موچی اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر لے گئے۔ صبح امام ابو حنیفہؒ نے پاس آنے والوں سے پوچھا۔ کیا بات ہے رات ہمارے خوش فکر دوست کے ہاں خاموشی چھا گئی۔ کہنے والوں نے خوشی کے ملے جلے انداز سے اس پر گزری ہوئی بات بیان کی۔ انہوں نے بات سن کر فوراً کپڑے بدلے اور سیدھے شہر کے حاکم کے پاس جا پہنچے' خلیفہ منصور کا بھتیجہ عیسیٰ بن موسیٰ کوفہ کا گورنر تھا۔ اسے اطلاع ملی کہ امام ابو حنیفہؒ ان سے ملنے آئے ہیں۔ فوراً درباریوں کو استقبال کے لئے بھیجا' خود سواری تک پہنچا' عزت کے ساتھ لے آیا۔ عزت و احترام کے ساتھ پاس بٹھا کر پوچھا۔ آپ کیوں تشریف لانے کی تکلیف فرماتے ہیں کام تھا تو مجھے بلایا ہوتا۔ امام صاحب نے فرمایا ایک موچی میرا پڑوسی ہے رات تمہارے سپاہی اسے گرفتار کر کے لے آئے' میں چاہتا ہوں کہ وہ قید سے آزاد ہو جائے۔ عیسیٰ نے فوراً قاصد بھیجا کہ موچی کو حوالات سے ساتھ لے آؤ۔ امام صاحب بیٹھے تھے موچی چھوٹ کر آ گیا۔ امام صاحبؒ خدا حافظ کہہ کر چلے آئے۔ موچی اپنے محسن کے ساتھ ہو گیا۔ راستہ میں انہوں نے موچی کے ہر بار گائے ہوئے شعر کا حوالہ دے کر فرمایا۔ دیکھو بھائی ہم نے تمہیں کھونے نہیں دیا۔ موچی شرمندہ ہو کر بولا۔ آپ نے اپنے نالائق پڑوسی کا خیال رکھا اور ہمسائیگی کا حق ادا کیا۔ جسے میں اب تک بھولا ہوا تھا۔

موچی گھر آیا تو دل شراب و کباب سے بھر گیا۔ امام صاحبؒ کی عنایت اور سلوک نے اس کی زندگی
رنگ بدل دیا۔ کچھ دن نہ گزرے تھے کہ وہ امام صاحبؒ کے درس میں شریک ہوتا رہا اور نماز کا پابند
گیا۔ امام صاحبؒ کے اس حسن سلوک کا اس سے اچھا بدلہ کیا ہو سکتا تھا۔

انہی امام صاحبؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دن درس کے دوران ایک شخص آکر انہیں گالیاں دینے لگا
شاگردوں نے چاہا کہ اٹھ کر اس کی مرمت کریں، مگر منع کیا اور وہ مسلسل انہیں اشتعال دلانے میں
مصروف رہا۔ چنانچہ آپ درس سے اٹھے اور گھر کا راستہ لیا۔ وہ شخص بدستور اپنی بدکلامی و بدگوئی میں
مصروف رہا۔ حتیٰ کہ امام صاحبؒ گھر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس سے فرمایا۔ بھا
کچھ اور کہنا ہو تو کہہ دو کیونکہ میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں اس شخص کی شیطانی حکمت عملی کارگر
ہوئی۔

امام ابو حنیفہؒ انتہائی عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ اللہ نے انہیں علم کی دولت کے ساتھ صبر و تحمل کی بیش
بہا دولت سے نوازا تھا۔ انہی کے متعلق یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں آیا اور پوچھا
آپکے والد کا انتقال ہو چکا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر پوچھا آپ کی والدہ زندہ ہیں۔ فرمایا۔ ہاں زن
ہے۔ اس بدزبان و بدفطرت نے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کی والدہ بڑی حسینہ و جمیلہ ہے اس لئے میں
ان سے نکاح کرنے آیا ہوں، آپ ان کا نکاح میرے ساتھ کر دیجئے۔ آپ نے نہایت صبر و تحمل سے
مشتعل ہوئے بغیر فرمایا۔ وہ عاقل بالغ ہیں انہیں اپنے نکاح کا اختیار ہے میں جبر نہیں کر سکتا البتہ پوچھ سک
ہوں۔ آپ اس ارادے سے اٹھے تھے کہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ تڑپ تڑپ کر جان دے رہا تھا۔ فرمایا
ابو حنیفہؒ کے صبر نے اس کی جان لے لی۔

حضرت نظام دین اولیاءؒ کا بڑا نام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم بھی دیا تھا شہرت اور عزت بھی۔ ایک
دفعہ اپنے عقیدت مندوں میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص محفل میں آیا اور آپ سے چند چیزوں کی فرمائش
کہ فوراً" منگوا دیجئے۔ آپ خاموش رہے تو وہ شخص ایسا بپھرا کہ گالیاں بکنے لگا۔ حضرت خاموشی سے سنتے
رہے اور کہتے بھی کیا، گالی کا جواب گالی سے دینا آسان ہے لیکن کسی کی بدتمیزی اور بدتہذیبی کو برداشت
کرنا دل گردے کا کام ہے اور اللہ کے بندے اپنے نفس کی ایسی تربیت کرتے ہیں کہ صبر و ضبط کی قوت
بڑھ جاتی ہے اور غصے کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ سلطان اولیاءؒ بھی ایسے ہی نیک بندے تھے۔ فوائد الفواد میں
ہے کہ وہ شخص بھری محفل میں حضرت کے عقیدت مندوں میں گالی گلوچ کر کے خاموش ہوا تو اپنے خاد
سے فرمایا۔ خدا کا بندہ جو کچھ چاہتا ہے دے کر احترام سے رخصت کرو۔ وہ گیا تو حاضرین اس کی بدتمیزی
تبصرہ کرنے لگے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا۔ میرے اس عمل کو یاد رکھو، میں نے اپنے استاد او

مرشد کا یہ عمل دیکھا تھا جس پر آج عمل کیا۔ فرمایا ایک شخص بابا فرید گنج شکرؒ کی محفل میں آیا اور آتے ہی لڑ پڑا کہ لوگ کیوں تمہاری عزت کرتے ہیں حالانکہ تم بت بنے بیٹھے ہو جبھی تو تمہاری پوجا ہوتی ہے۔ حاضرین مجلس نے برا منایا' مگر بابا فریدؒ خاموش بیٹھے رہے۔ وہ شخص بار بار یہی کہتا رہا کہ تم بت ہو تو بابا جی نے فرمایا۔ میاں' اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی بنایا ہے ورنہ ہماری کیا مجال کہ کچھ بن سکیں۔ انہوں نے یہ جملہ جس نرمی سے فرمایا اور جس طرح اس کی بے ادبی پر خاموش رہے' یہی تربیت میں نے ان سے سیکھی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے عقیدت مندوں سے فرمایا۔ میرا طرز عمل آپ کے لئے بھی درس موعظت ہے۔

لوگ ہمیشہ بزرگوں اور خدا کے نیک بندوں کی شہرت' عوام میں مقبولیت اور عقیدت سے جلتے رہتے ہیں۔ کچھ دنیا دار لوگ بھی ایسی ہستیوں سے جلتے رہتے ہیں اور انہیں مشتعل کرنے کے لئے یا بے عزتی کی خاطر ایسے تلنگے لگا دیتے ہیں' مگر اللہ جنہیں عزت' مرتبہ اور بزرگی عطا فرمانا چاہے ان کے ظرف اور حوصلے بھی بلند ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے نفس پر قابو پایا ہوتا ہے تب ہی انہیں یہ مرتبے عطا ہوتے ہیں۔ ولمن صبر و غفران ذالک من عزم الامور جو لوگ صبر اور معافی و درگذر سے کام لیتے ہیں وہ بڑے عزائم کے مالک ہوتے ہیں۔ غصے پر قابو رکھنا بہادری ہے' لیکن ایک مقام اس سے اونچا ہے' وہ ہے گالیاں کھا کر بدمزہ نہ ہونا' غصے کو تھامنا اور غصہ پیدا ہی نہ ہونے دینا اور بات ہے' پھر وہ مقام آتا ہے کہ آدمی دوسرے کو معاف ہی نہ کرے۔ بلکہ احسان کرے۔ یہ واقعہ جن کا ہے۔ وہ تابعین میں سے تھے۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ مدینے میں ان سے افضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی بزرگی پر سب کو اتفاق تھا۔ حضرت امام حسینؓ اور امام حسنؓ کے علاوہ بڑے بڑے صحابہؓ نے ان کی تربیت میں حصہ لیا۔ ایک دن ایک شخص ان کی خدمت میں آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کے لئے نامناسب الفاظ کہتا رہتا ہے۔ پوچھا گالیاں دیتا ہے کہا۔ ہاں۔ فرمایا۔ چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔ دونوں چلتے راستہ میں وہ شخص سوچتا رہا تیر نشانے پر بیٹھا ہے خوب لڑائی ہو گی' لیکن معاملہ برعکس ہوا یعنی بزرگ گالیاں دینے والے کے پاس پہنچے تو فرمایا۔ تم نے میرے بارے میں جو کچھ کہا ہے اگر سچ ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے۔ اگر جھوٹ ہے تو خدا تیری مغفرت فرمائے۔ یہ کہا اور وہاں سے لوٹ آئے۔ یہ واقعہ حضرت زین العابدینؒ کا ہے۔ ایک دن مسجد سے نکلے کہ ایک شخص ساتھ ہو گیا۔ جانے اسے کیا ہوا کہ آپ کو سنا سنا کر گالیاں دینے لگا۔ حضرت سے محبت کرنے والے دوڑے کہ اس گستاخ کا منہ بند کریں کہ آپ نے روک دیا اور اس شخص سے فرمانے لگے۔ میری بہت سی کمزوریاں اور برائیاں تو چھپی ہوئی ہیں تمہیں معلوم ہی نہیں' جو کچھ تم کہہ رہے ہو میں اس سے زیادہ برا ہوں۔ وہ شخص شرمندہ ہو کر ڈھیر ہو

گیا۔ آپ سے اس کی یہ شرمندگی بھی نہ دیکھی گئی۔ اپنا کرتہ اتار کر اسے دیا اور ہزار درہم سے بڑھ کر اسے دیئے۔ اس شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ بے شک آپ خاندان نبوت کے فرد ہیں' آپ ایسے نہ ہوں گے تو کون ہو گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کے نبی ؐ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہیں لیا اور نہ کسی برا چاہنے والے کو برا کہا۔ ارشاد ربانی ہے۔ فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ جو معاف کر دے اور حسن سلوک۔ صلح روا رکھے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

حضور ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام ؓ کے درمیان مدینہ کی ایک عورت کا ذکر آیا تو کہا گیا کہ وہ بڑی نیک ہے' نماز پڑھتی ہے' روزے رکھتی ہے' صدقہ اور خیرات بھی دیتی ہے' راتوں کو جاگ کر ذکر الٰہی میں مصروف رہتی ہے' بس ایک بات اس میں مناسب نہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔ وہ کیا؟ جواب دیا گیا۔ حضور ﷺ وہ زبان کی سخت اور تند مزاج ہے۔ ذرا مرضی کے خلاف ہو تو بگڑ بیٹھتی ہے اور بگڑتی ہے تو کچھ نہ پوچھئے۔ لوگ اس کی عادت اور مزاج سے تنگ ہیں حضور ﷺ نے فرمایا۔ پھر تو اس کی عبادتیں بیکار گئیں۔ عبادات کا مقصد مزاج کو شرافت بخشنا ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قولوا للناس حسنا کسی سے بات کرو تو نرمی سے کرو' ترشی و تندی نہ آئے۔

کسی کو قید کرنا خوشی کی بات نہیں' مگر زبان کو قید کر کے خوش ہونے کا حکم ہے۔ روزہ میں خاموشی پرہیزگاری ہے۔ زیادہ بولنے والا اپنی زبان کو برائیوں سے نہ بچا سکے گا۔

ایک آدمی نے بکر بن عبداللہ ؓ کو بہت سی گالیاں دیں' برا بھلا کہا۔ آپ خاموش رہے۔ کسی نے کہا۔ آپ اسے برا بھلا کیوں نہیں کہتے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اس شخص کی کوئی برائی معلوم نہیں کہ برا کہہ سکوں۔ لا یحب اللہ الجہر بالسوء الا من ظلم اللہ تعالیٰ یہ نہیں پسند فرماتے کہ کوئی کسی کی بدگوئی پر اتر آئے۔ ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غصے اور انتقام سے بچائے۔ آمین

(رانا محمد اعجاز)

ن ابی هریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نارکم جزمن سبعین جزامن نار

ہنم قیل یارسول اللہ ان کانت لکافیہ قال فضلت علیھن بتسعہ وستین جزاء کلھن

ثل حرھا۔

ترجمہ! ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری اس دنیا کی ؑگ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ یہی دنیا کی آگ نی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلے میں انہتر درجہ بڑھا دی گئی ہے اور ہر رجہ کی حرارت آتش دنیا کی حرارت کے برابر ہے۔

جس طرح جنت کے متعلق قرآن پاک کی آیات اور رسول کریم ﷺ کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اعلیٰ درجے کی ایسی لذتیں اور راحتیں ہیں کہ دنیا کی بڑی سے بڑی لذتوں اور راحتوں کو اس سے کوئی نسبت نہیں اور پھر وہ سب ابدی اور غیر فانی ہیں اور اسی طرح دوزخ کے متعلق قرآن و حدیث ں جو کچھ بتایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایسی تکلیفیں اور دکھ ہیں کہ دنیا کے بڑے سے بڑے ھوں اور بڑی سے بڑی تکلیفوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں۔

قرآن و حدیث کے الفاظ سے جنت کے عیش و راحت اور دوزخ کے دکھ اور عذاب کا جو تصور اور شہ ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے وہ اصل حقیقت سے بہت کم ہے۔ یہ اس لئے کہ ہماری زبان کے ارے الفاظ ہماری اس دنیا کی اشیاء کے لئے وضع کئے گئے ہیں مثال کے طور پر انگور یا سیب کے الفاظ سے را ذہن اسی قسم کے سیبوں یا انگوروں کی طرف جا سکتا ہے جن کو ہم نے دیکھا اور چکھا ہے ہم جنت کے انگوروں اور سیبوں کی اصل حقیقت کا تصور کیسے کر سکتے ہیں جو اپنی خوبیوں میں یہاں کے سیبوں اور وروں سے ہزاروں درجہ بہتر ہونگے اور جن کا کوئی نمونہ ہم نے یہاں نہیں دیکھا۔

بالکل اسی طرح سانپ اور بچھو کے الفاظ سے ہمارا ذہن اسی قسم کے سانپوں اور بچھوؤں کی طرف جا تاہے جن کو ہم نے اس دنیا میں دیکھا ہے۔ دوزخ کے ان سانپوں اور بچھوؤں کا پورا نقشہ ہمارے ذہنوں ں کیسے آسکتا ہے جو اپنی جسامت اور خوف ناکی میں یہاں کے ان سانپوں اور بچھوؤں سے ہزاروں درجہ

بڑھے ہوئے ہوں گے جن کو ہم نے نہیں دیکھا۔

جنت اور دوزخ کے متعلق جو کچھ قرآن و حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے اس کا مقصد یہ نہیں کہ جو کچھ وہاں پیش آنے والا ہے ہم اس کو پوری طرح سمجھ لیں اور جان لیں اور وہاں کے حالات کا نقشہ ہمارے سامنے آ جائے بلکہ اس کا مقصد جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف دلا کر اللہ تعالیٰ کی رضا والی اور دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے والی زندگی پر اللہ کے بندوں کو آمادہ کرنا اور اس مقصد کے لئے جنت اور دوزخ کے متعلق جو کچھ قرآن و حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے انسانوں کے لئے کافی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

اس دنیا میں بھی آگ کی اقسام ہیں مثلاً لکڑی کی آگ میں گھاس پھونس کی آگ سے زیادہ گرمی اور کوئلے کی آگ میں لکڑی کی آگ سے زیادہ حرارت ہوتی ہے اور ایٹم بموں سے جو آگ اور حرارت پیدا ہوتی ہے وہ درجہ حرارت میں ان سب سے زیادہ ہے اب سائنس نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ آلات سے یہ معلوم کرنا آسان ہو گیا ہے کہ ایک آگ دوسری آگ کے مقابلے میں کتنے درجہ کم یا زیادہ گرم ہے۔

پس اب حدیث مبارکہ کا مفہوم سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلے میں ستر درجہ زیادہ حرارت رکھتی ہے۔

عربی زبان میں ستر کا عدد کسی چیز کی زیادتی اور کثرت ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں بھی یہ عدد اسی محاورے کے مطابق استعمال کیا گیا ہو۔ اس صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہو گا کہ دوزخ کی آگ کی گرمی میں اور جلانے کی صفت میں دنیا کی آگ سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

جب رسول کریم ﷺ نے دوزخ کی آگ کا یہ حال بیان فرمایا تو کسی صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ دنیا کی حرارت ہی کافی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے اور زیادہ واضح لفظوں میں پھر پہلے ہی مضمون کو دہرایا اس کے علاوہ کوئی اور جواب نہیں دیا۔ غالباً اس طریق جواب سے آپ ﷺ نے اس پر تنبیہ فرمایا کہ ہمیں اللہ کے جلال و قہر سے ڈرنا اور آتش دوزخ سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے اور اللہ کے افعال اور اس کے فیصلوں کے بارے میں ایسے سوالات نہیں کرنے چاہیے۔ جو کچھ اس نے کیا ہے اور جو کچھ کرے گا وہی ٹھیک ہے۔

جنت میں واپسی

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

سب حمد و ثنا اللہ سبحانہ کی ذات بابرکات کے لئے ہے جس نے کائنات کو پیدا فرمایا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر لحاظ سے واحد اور بے مثل ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور لاکھوں درود و سلام ہوں حضور سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر جنہیں اس نے اقوام عالم کی طرف مبعوث فرمایا اور پوری انسانیت کی کامل رہنمائی کے لئے اپنی آخری کتاب قرآن مجید فرقان حمید نازل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس آئین حیات نے ہی خالق کائنات، کائنات اور انسانوں کے اپنے بارے میں وہ حقائق بتلائے جو صدیوں سے حل طلب چلے آ رہے تھے۔ قرآن حکیم ہی نے یہ بتایا کہ انسان کی حقیقت کیا ہے۔ اسے کس لئے پیدا کیا گیا۔ حیات ارضی کا مقصود کیا ہے۔ کائنات کے ساتھ انسان کا کیا رشتہ ہے۔ موت کے بعد اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی راہ کونسی ہے؟ اس مضمون میں قرآن کریم کی روشنی میں ہم انہی حقائق کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمیں ہدایت اور شرح صدر نصیب ہو، ہمارے اندر بامقصد زندگی گزارنے کی لگن پیدا ہو جائے اور ہم دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو جائیں۔ آمین۔

☆ بنیادی حقائق

قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی یہ فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے لگا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق ہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب اور امین بن کر زندگی بسر کرنے کے لئے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تعمیر و تسخیر کی گوناگوں صلاحیتیں عطا فرمائیں اور تمام اشیاء کے نام سکھا کر، علوم و فنون حاصل کرنے کی اہلیت اس کے اندر ودیعت فرما دی۔ اس طرح انسان کو ملائکہ سے بھی برتر مقام حاصل ہوا اور وہ آدم علیہ السلام کی واضح علمی برتری کا مشاہدہ کر کے اس کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم

میں ہماری رہنمائی کے لئے انسان اور کائنات کی تخلیق کے بنیادی مقاصد بھی واضح فرمادیئے۔ انسان
کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ ہم نے انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ اپنی بصیرت و بصارت کی
بناء پر اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہوئے صرف اسی کی بندگی کرے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت
محبت سے معمور زندگی بسر کرنے کی راہ کا نام ہی صراط مستقیم ہے۔ ہمارے گردو پیش جو کائنات
موجود ہے اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے یہ سب انسان کے
لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس فرمان سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوئی کہ خلافت ارضی کی ذمہ داری کے
تحت یہ بھی انسان کا فرض ہے کہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں اور قوتوں کو تسخیر کر کے اپنے کام میں
لگائے۔ اس سے جہاں اللہ کی عطا کردہ تسخیر و تعمیر کی اہلیت کا اظہار ہو گا وہاں اللہ کی مخلوق میں تفکر
تدبر سے اسے اپنے خالق کی معرفت میں بھی کمال حاصل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل سے
جہاں اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کی منزلیں طے ہونگی وہاں دنیوی زندگی میں آسائش و راحت، دولت
و قوت اور شان و شوکت بھی نصیب ہو گی۔ ان دونوں اصولوں کی پابندی اور توازن ہی سے اللہ
تعالیٰ کی منشاء کے مطابق کامیاب زندگی گذاری جا سکتی ہے۔ جس قوم کے افراد ان قرآنی ہدایات
کے علی الرغم مادی کائنات میں ظاہر اور پوشیدہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے چشم پوشی کر کے اور اس کی
ان گنت نعمتوں سے منہ موڑ کر رہبانیت کی تراشی ہوئی ریاضتوں، مراقبوں اور چلوں میں گم ہو کر
جائیں اور روحانی کیفیات و واردات کو ہی حاصل حیات سمجھنے لگیں وہ فرشتے تو بن سکتے ہیں لیکن
اللہ تعالیٰ کے مطلوبہ انسان اور بندے نہیں بن پاتے۔ دوسری طرف جنہوں نے مادی قوتوں کو
تسخیر کر لیا لیکن اپنے خالق کی ربوبیت اور الوہیت سے انکار کر کے ابلیس اور نفسانی خواہشات کی
پیروی میں لگ گئے ان کے کمالات کی حد برق و بخارات سے چلنے والی مشینوں اور انسانیت کی تباہی
کے ہتھیاروں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دنیا میں مفسدین اور آخرت میں
مجرمین بن کر رہ گئے۔

☆ عہد الست

اللہ تعالیٰ چونکہ انسانوں سے بے پایاں محبت کرتے ہیں اس لئے متاع دنیا کے دھوکے، نفس
شرارت اور شیطان کے فریب سے بچانے کی خاطر عالم ارواح ہی میں سب انسانوں سے ا
خصوصی عہد لے لیا گیا۔ قرآن کریم میں اس عہد کا ذکر اور اس کی غرض و غایت بیان کرتے ہو

فرمایا گیا۔

☆ "اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان کے بارے میں اقرار لینے کے لئے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ کیوں نہیں۔ ہم گواہ ہیں۔ اس لئے کہ قیامت کے دن تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی بات کی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ نہ کہو کہ شرک تو ہمارے بڑوں نے شروع کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے۔ تو کیا جو کام اہل باطل نے کیا اس کے بدلے میں آپ ہمیں ہلاک کرتے ہیں؟ اور اسی طرح ہم اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ رجوع کریں"

(الاعراف۔ 172 تا 175)

اس سے ایک نہایت اہم اور بنیادی حقیقت واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی آقا و پروردگار تسلیم کرنا حیات انسانی کی کامیابی کا مرکز و محور ہے اور اسی لئے یہ اصول دنیا میں آنے سے پہلے ہی ہر انسان کی سرشت میں داخل کر دیا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا کر بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام انسانی قلوب کے اندر چھپے ہوئے اس روحانی چراغ کو روشن کرنے اور اس کی قندیل کی سیاہی کو صاف کرنے کی سعی کرتے ہیں تاکہ روحوں کو عہد الست یاد آ جائے۔ وہ اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔ اسی پر ایمان لائیں اور صالح اعمال اپنا کر دونوں جہانوں میں سرخرو ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل کر لیں کہ یہی مقصود حیات ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی صفت کا ذکر دوسری تمام صفات سے زیادہ بار کیا ہے اور یہ بھی ارشاد کیا گیا ہے کہ اللہ تمہارا رب ہے پس اسی کی بندگی کرو کہ یہی صراط مستقیم ہے۔

☆ اللہ کی رضا

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حوا کو کچھ عرصہ جنت میں رکھا تاکہ وہ اس کی نعمتوں سے کسی حد تک آشنا ہو کر اپنی منزل کو پہچان لیں۔ حیات ارضی کی تخلیق اور جد و جہد کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ انسان جوہر خودی کی تکمیل کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضاء حاصل کرے تاکہ وہ اسے اپنی جنت میں داخل فرمالے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا یہی صحیح تقریب کہ انسان کو وہ آئین حیات عطا کیا جائے جو اسے وہم و گمان اور ظن و تخمین کے اندھیروں سے نکال کر

حقائق کی روشنی میں لے آئے۔ جس سے ہدایت پانے کے بعد وہ ہوا و ہوس کا غلام بن کر دنیا کی محبت میں نہ کھو جائے۔ وہ کائنات کو مسخر کر کے اپنی خدمت میں ضرور لگائے لیکن کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی زندگی کو ترجیح دینا اس کی اساس فکر اور طرز حیات بن جائے تاکہ وہ آگ کے عذاب سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہو سکے۔

جنت میں داخلے کا انحصار اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا (الفتح۔ 29) "وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں" یہی ہر انسان کا مقصود حیات ہے اور اس کے حصول کا ایک ہی اصول ہے کہ صحابہ کرام ؓ کی طرح ہر انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور الہ تسلیم کر کے اپنے آپ کو اس کی محبت کے رنگ میں رنگ لے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

صبغتہ اللہ ومن احسن من اللہ صبغتہ ونحن لہ عبدون (البقرۃ ۔ 138)

"کہہ دیں کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں"

اس آیت مبارکہ کے آخری حصہ سے ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے ہی سے اللہ کا رنگ چڑھتا ہے۔ اس کی عملی صورت ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اس بندے کا اتباع کیا جائے جو اللہ کے رنگ کا کامل ترین نمونہ ہے اور جس کی بندگی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت اور محبوبیت کا مقام حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کو حکم فرمایا ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان لا کر اس کی رضا کو اپنا مقصود حیات بنالیں آپ انہیں منزل مقصود تک پہنچنے کا طریقہ بتا دیجئے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم ○ قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولو فان اللہ لا یحب الکفرین ○ (آل عمران 31 تا 34)

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا"

جنت میں واپسی اور رسولوں کی بعثت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت جو آدم و حوا کو جنت سے رخصت کرنے کے لئے حکم دیا تو اس وقت ہی یہ بشارت دے دی کہ اولاد آدم میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جانے والی ہدایت کے مطابق کامیاب زندگی بسر کریں گے وہ خوف و حزن سے آزاد ہوں گے اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جنت میں پھر لوٹ آئیں گے۔ اور جنہوں نے اللہ اور یوم آخرت کو جھٹلایا اور شیطان کا اتباع کیا تو ان کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔ اس موضوع پر چند آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیے۔

قلنا اهبطوا منها جميعا فاما ياتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ○ والذين كفروا وكذبوا بايتنا اوليک اصحب النار هم فيها خلدون ○

"ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے" (البقرۃ 39,38)

قال اهبطا منها جميعا بعضكم لبعض عدو فاما ياتينكم منى هدى فمن اتبع هداى يضل ولا يشقى ○ ومن اعرض عن ذكرى فان له معيشه ضنكا ونحشره يوم القيمه اعمى ○ (طہ 124,123)

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔ تم میں بعض بعض کے دشمن ہونگے۔ جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کریگا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑیگا اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے"

يبنى ادم اما ياتينكم رسل منكم يقصون عليكم ايتى فمن اتقى واصلح فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ○ والذين كذبوا بايتنا واستكبروا عنها اوليک اصحب النار هم فيها خلدون ○ (الاعراف 36,35)

"اے بنی آدم جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آئیں اور ہماری آیات تمہیں سنائیں تو جو

شخص ایمان لا کر تقویٰ اختیار کریگا اور اصلاح کرے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی وہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے"

ان آیات مقدسہ سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اللہ کی طرف سے آنے والی ہدایت کی غایت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر تقویٰ کی زندگی بسر کرے تاکہ آگ کے عذاب سے بچ جائے اور نعمتوں بھری جنت میں داخل ہو جائے۔ اس عظیم کام کو اللہ تعالیٰ کے دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور تمام شعبہ ہائے دین اسی محور کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں کہ وہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دیں اور نیکو کار بندوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کی بشارت دیں۔ اسی طرح شیطان کی بندگی کے نتیجہ میں ملنے والے جہنم کے عذاب سے ڈرائیں۔ ہم یہاں قرآن کریم کی چند آیات درج کرتے ہیں جن میں رسولوں کی تشریف آوری کا مقصد بیان کیا گیا ہے تاکہ دین کے مرکزی کام کی اہمیت مزید واضح ہو جائے۔

ولقد بعثنا فی کل امتہ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت فمنھم من ھدی اللہ ومنھم من حقت علیہ والضللہ فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبہ المکذبین○(النحل ۔36)

"اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور شیطانی گروہ سے اجتناب کرو۔ تو ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں کہ جن پر گمراہی ثابت ہوئی۔ سو زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا"

رسلا مبشرین و منذرین لئلایکون للناس علی اللہ حجتہ بعد الرسل و کان اللہ عزیزا حکیما (النساء۔165)

"سب رسولوں کو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔ تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے"

وما نرسل المرسلین الا مبشرین و منذرین فمن امن واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون○والذین کذبوا بایتنا یمسھم العذاب بما کانو یفسقون○ (الانعام۔49,48)

"اور ہم جو رسول بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو۔ پھر جو شخص ایمان لائے اور

نیکو کار ہو جائے تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ اندوہناک ہوں گے اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو ان کی نافرمانی کے سبب انہیں عذاب ہو گا"

یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اس نے انسانوں کی راہنمائی کی خاطر اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار فرما دیا۔ انبیاء علیہم السلام نے ہر دور میں یہی بنیادی فریضہ ادا کیا کہ اپنی اپنی قوموں کو اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال بتا دیئے اور ان کے صلہ میں ملنے والی نعمتوں کی بشارت دی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والے اعمال بھی واضح کر دئے اور نافرمانی کے نتیجہ میں ملنے والی جہنم کی سزاوں سے ڈرایا۔ خوش خبریوں اور ڈراووں کی تکرار اس کثرت سے کی گئی ہے کہ قرآن کریم کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس میں ان کا ذکر نہ ہو۔ اس طرح انسانوں کے لئے نیکی بدی' بھلائی برائی' شکر و کفر' اطاعت و بغاوت اور سعادت و شقاوت کی راہیں واضح کر دی گئی ہیں۔

اب ہماری منزل ہمارے سامنے ہے۔ ہماری تمام سرگرمیوں اور جدوجہد کا ہدف عذاب دوزخ سے بچنا اور اللہ کی رضا اور اس کی جنت کا حصول ہونا چاہئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان تمام اعمال سے بچیں جو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے اور ان تمام اعمال کو ذوق و شوق سے بجالائیں جو انہیں پسند ہیں اسی طرز عمل کا نام تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق قرآن کریم متقین کے لئے ہی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں بھری زندگی بھی متقین کے لئے ہے۔ تقویٰ والی زندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اس کی محبت میں گرفتار نہ ہوں۔ مال و جاہ اور اولاد کی خاطر زمین میں فتنہ و فساد بپا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر شے پر مقدم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو بھی مقام و منصب عطا کر رکھا ہو اور کسی بھی پیشہ سے ہمارا تعلق ہو ہمیں ہر حال میں اپنے خالق کی معصیت سے بچتے رہنا چاہئے اور اس کی مخلوق کی خیر خواہی اور خدمت کے ذریعے اس کی رضا کا طالب بنے رہنا اور ہر حال میں خوش رہنا چاہئے۔ ہمیں چاہئے کہ زندگی کے آخری سانس تک شیطان کے مکرو فریب سے غافل نہ ہوں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں خوف و رجاء کے درمیان چلتے رہیں اور خاتمہ بالایمان کے لئے اللہ کی مدد کے طالب گار رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طویل سفر کے مقابلے میں انسان کی مدت عمر نہایت قلیل ہے اس لئے وقت کے ضیاع کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔ اس راہ میں پوری استقامت' احتیاط اور عزم و ہمت کے ساتھ آگے بڑھتے رہنے ہی سے گوہر مقصود ہاتھ آسکتا ہے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس مومن کے دو دن ایک ہی حالت میں گذر جائیں وہ خسارے میں

ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہ میں ہر مومن کا آج کا دن کل سے بہتر ہونا چاہئے۔ ورنہ یوں
کہ زندگی کا ایک دن ضائع چلا گیا۔ جب یہ زندگی ختم ہو جائے گی تو پھر نا ختم ہونے والی زندگی کا آ
ہو گا۔ قیامت کے روز انسانوں کو ان کے ہر عمل کا اجر دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حقیقی غریب اور مسکین وہ انسان ہے جس کی دنیا میں ک
ہوئی ساری نیکیاں قیامت کے دن ان دعویداروں میں تقسیم کر دی جائیں گی جن پر اس نے ظل
ہو گا۔ جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو پھر مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور ا
جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ اسی لئے اللہ والے حقوق العباد کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور یہ نصیحت
کرتے ہیں کہ نیکی کے کاموں سے بھی زیادہ برائیوں سے بچنے کو مقدم جانو۔ آخرت کی زند
مشکل مرحلہ جہنم کے شعلوں سے نجات پانے کا ہے یہ طے ہو جائے تو اللہ رحیم و کریم کے فضل
رحمت سے امید رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے بندے کو جنت میں داخل فرمالے۔ قرآن کریم میں دنی
بے ثباتی اور قیامت کے دن پیش آنے والے مراحل کا ذکر یوں آیا ہے۔

كل نفس ذائقه الموت وانما توفون اجوركم يوم القيمته فمن زحزح عن ال
وادخل الجنته فقد فازما الحيوة الدنيا الا متاع الغرور (ال عمران - 185)

"ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ
جائے گا۔ تو جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور دنیا
زندگی تو دھوکے کا سامان ہے"

☆ انسان کے لئے دو دعوتیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صلاحیتیں اور برتر شعور عطا فرما کر دوسری مخلوق پر فوقیت بخش
اسے صاحب ارادہ و اختیار بنا کر اعمال کا ذمہ دار ٹھہرا گیا اور اسی وجہ سے اس کے لئے جزا و سز
انتظام بھی کر رکھا ہے۔ اس خصوصی شرف کی بناء پر اس پر جبری اطاعت کا قانون مسلط نہیں کیا
اس کے لئے دعوت کا نظام قائم کیا گیا۔ دراصل یہ انسان کی سوجھ بوجھ اور ذمہ داری کا امتحان
کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر تدبر و تفکر کر کے اور اس کی بے شمار نعمتوں کا احساس کر کے اس
غلامی میں داخل ہو جاتا ہے یا احسان ناشناس بن کر کفر اور نافرمانی کی راہ پر چل نکلتا ہے۔ ان دونو
راہوں کے لئے داعی موجود ہیں۔ بنی نوع انسان کو دو اطراف سے بلاوا ملنے کا ذکر قرآن کریم

مندرجہ ذیل آیات میں کیا گیا ہے۔

اولیک یدعون الی النار واللہ یدعوا الی الجنتہ والمغفرۃ باذنہ ویبین ایتہ للناس لعلھم یتذکرونO (البقرۃ 221)

"مشرکین تو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی مہربانی سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اپنی آیات لوگوں کے لئے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں"

ان الشیطن لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعوا حزبہ لیکونوا من اصحب السعیرO (الفاطر۔6)

"شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہو جائیں"

واللہ یدعوا الی دارالسلم ویھدی من یشاء الی صراط مستقیمO للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ ولا یرھق وجوھھم قتر ولا ذلہ اولیک اصحب الجنتہ ھم فیھا خلدونO والذین کسبوا السیات جزاء سیتہ بمثلھا و ترھقھم ذلہ مالھم من اللہ من عاصم کانما اغشیت وجوھھم قطعامن الیل مظلما اولیک اصحب النار ھم فیھا خلدونO (یونس۔25 تا 27)

"اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید برآں اور بھی۔ اور ان کے مونہوں پر نہ تو سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی۔ یہی جنتی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہوں نے برے کام کئے تو برائی کا بدلہ ایسا ہی ہوگا اور ان کے مونہوں پر ذلت چھاجائے گی اور کوئی ان کو اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا ان کے مونہوں پر سیاہی کا یہ عالم ہوگا کہ ان پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اڑھادیئے گئے ہیں۔ یہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے"

یایھا النبی انا ارسلنک شاھدوا و مبشرا و نذیراO وداعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیراO (الاحزاب 45-46)

"اے نبی ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن" (حصہ دوم و آخری اگلے مجلہ میں دیکھیے)

مسلح افواج اور عوام کا ایثار

(آفتاب احمد خاں)

1965ء کی جنگ کے دوران ایک صبح گھر کے فون کی گھنٹی بجی۔ فون اٹھایا تو کلب کے دفتر سے وار کمیٹی کے ایک ممبر کی آواز تھی اور حکم ملا کہ فوراً" دفتر آجاؤ۔ میں اسی وقت تیار ہوا اور قبلہ حضرت کے پاس جانے کی بجائے وار کمیٹی کے دفتر پہنچ گیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ للیانی قصور محاذ پر تین سو جوانوں کے لئے وردیوں کی اشد ضرورت ہے جس کا کوئی فوری بندوبست ہونا چاہیئے۔ ہمارے ایک ممبر کا عزیز شیش محل ہوزری میں ملازم تھا۔ اسے فون پر حالات کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے کہا کہ آپ میرے دفتر واقع راوی روڈ پہنچ جائیں۔ ہم دونوں وہاں پہنچ گئے اور انہیں ضروریات کی تفصیل بتائی۔ یہ صاحب فیکٹری کے مینجر تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کپڑے کا بندوبست ہو جائے تو یہ سارا سامان ہم دو دن میں تیار کروا دیں گے۔ میں نے وہیں سے اعظم کلاتھ مارکیٹ میں اپنے ایک دوست جو کپڑے کا کاروبار کرتا تھا کو حالات کے بارے میں بتایا تو اس نے فوراً" کہا کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور آپ کا مطلوبہ مال دو گھنٹے کے اندر اندر فیکٹری میں پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ہم مطمئن ہو کر کمیٹی کے دفتر واپس آ گئے اور میں وہاں سے فارغ ہو کر قبلہ حضرت انصاری صاحب کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا آج تم دیر سے آئے ہو مجھے معلوم تھا کوئی ضروری کام ہو گا۔ اس پر میں نے آپ کو آج کی پوری تفصیل بتائی جس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ "یہ اللہ تعالیٰ کی مجاہد فوج کے لئے مدد کا کام ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں یہ تمام سامان کل مل جائے گا" میں پہلے ہی حیران تھا کہ اتنے سامان کی تیاری دو دن میں کیسے ممکن ہو گی اب اوپر سے حضرت صاحب نے بھی فرما دیا ہے اب دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ اگلے روز قبلہ حضرت سے ملنے

کے بعد دفتر پہنچا ہی تھا کہ شیش محل کے مینجر صاحب کا فون آگیا کہ آپ کا سارا مال تیار ہے۔ کچھ دیر کے بعد وار کمیٹی کے دوسرے ممبر بھی آگئے اور ہم فیکٹری چلے گئے۔

وہاں جا کر کارکردگی کا جائزہ لیا تو ہم حیران رہ گئے۔ مینجر صاحب نے بتایا کہ کاریگروں نے دن کے علاوہ پوری رات کا کام کر کے وردیاں تیار کر دی ہیں اور یہ کہتے ہوئے اجرت لینے سے بھی انکار کر دیا ہے کہ ہماری یہ محنت اللہ تعالیٰ اس جہاد میں قبول فرمالے۔ فیکٹری کے مالک نے وردیوں کے ساتھ تین سو بنیانیں ہمراہ کر دیں جو ان کی طرف سے پاک فوج کے لئے تحفہ تھیں۔ ہم نے فوج کے دفتر میں فون پر اطلاع دے دی اور شام تک انہوں نے تمام مال اٹھالیا اور ہم سب کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ ان ایام میں پاکستانی عجیب قوم بن گئے تھے اور ہر فرد اپنی ہمت کے مطابق کچھ کرنا چاہتا تھا۔

اگلے روز پھر فوج کی طرف سے فون آیا کہ چند سپاہی للیانی محاذ پر زخمی پڑے ہوئے ہیں اور ٹرانسپورٹ کی قلت کی وجہ سے سی ایم ایچ (C.M.H) نہیں لائے جا سکتے۔ آپ لوگوں کا جوش و جذبہ دیکھ کر دوبارہ تکلیف دے رہے ہیں۔ میں فوراً للیانی جانے پر آمادہ ہو گیا اور مطلوبہ جگہ کا پتہ حاصل کر لیا۔ اس محاذ پر جنگ پورے زوروں پر تھی۔ چار سو توپوں کی گھن گرج اور ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دیتی تھی۔ راستے میں آسمان سے زمین کی طرف گرتے اور سورج کی روشنی سے چمکتے ہوئے بم بھی دیکھے۔ اس کے باوجود اس سارے ماحول میں ایک عجیب سا کیف تھا اور ڈر یا خوف نام کی کسی چیز کا تو نام و نشان بھی نہ تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پاکستانی فوج کی پیشقدمی کے ساتھ ساتھ میں بھی ایڈوانس کر رہا ہوں۔ محاذ جنگ کی فضا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے میں نے ایک گاؤں کے چھوٹے سے باغ میں اپنی گاڑی روکی۔ وہاں پر دو زخمی مجاہد پڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ٹینکوں کے گنر تھے اور خاصے زخمی

ہونے کے باوجود اپنے افسروں سے اصرار کر رہے تھے کہ ہم زیادہ زخمی نہیں
ہمیں ہسپتال نہ بھیجیں۔ ہمارے پاکستان کو ہماری محاذ پر زیادہ ضرورت ہے۔
افسروں نے کہا کہ علاج کے بعد آپ دوبارہ یہیں آئیں گے اور ایک مرتبہ پھر آپ
جنگی جوہر اور کارکردگی دیکھیں گے۔ ایک زخمی مجاہد کو میں نے اپنی گاڑی میں لے
شدید زخمی ہونے کے باوجود سارا راستہ اس نے ہائے تک نہ کیا بلکہ افسوس کرتا
میدان جنگ سے باہر ہو گیا ہوں۔ "جس فوج کے مجاہدوں کا یہ جذبہ ہو اسے
شکست نہیں دے سکتا" یہ جملہ قبلہ حضرت نے فرمایا جب شام کو حاضر خدمت ہو
میں نے واقعات سے آپ کو آگاہ کیا۔ جب میں نے میدان جنگ کی خاص کیفیت
بارے میں بتایا تو فرمانے لگے کہ ہم لوگوں کو یہاں محفوظ گھروں میں یہ کیف محسوس
رہی ہے تو میدان جنگ کی تو بات ہی اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کے گھوڑوں
دھول کی قسم ایسے ہی تو نہیں کھائی۔ بے شک اللہ جسے عزت دیتا ہے اسی کا حصہ
اور آج پاکستان دنیا میں باعزت مقام کا حامل ہے اور پاکستان کا نام دنیا میں ہر جگہ
ہے اور سورج کی طرح روشن ہو گیا ہے۔ جنگ بند ہو جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر
محاذ پر جانے کا اتفاق ہوا اور افسروں کے ساتھ ان کے زمین دوز میس (MESS)
دوپہر کا کھانا کھانے کا موقع بھی ملا۔ بیشتر افسروں کا تاثر تھا کہ اب تو بھارت پر
ضرب لگانے کا وقت آیا تھا لیکن عین وقت پر جنگ بندی کا اعلان ہو گیا۔ ہائے ہمار
حسرت دل ہی میں رہ گئی۔

خواجہؒ کے خطوط

(خالد مسعود توحیدی)

1۔ پرانی قسم کی فقیری

(بنام محمد قاسم صاحب 3/11/1965)

"اللہ تعالیٰ حلقہ کے تمام احباب کو اخلاق محمدی ﷺ سے آراستہ فرمائے اور ایمان کامل عطا فرمائے اور دنیاوی نعمتوں سے بھی مالا مال فرمائے۔ کام بہت مشکل ہے۔ پرانی قسم کی فقیری کا خیال لوگوں کے دماغ میں ایسا جما ہوا ہے کہ میری تعلیم سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ اللہ کرے ان کو سمجھ آ جائے۔ آمین"

2۔ دعاؤں کی لسٹ

(بنام محمد قاسم صاحب 22/7/1962)

"یعقوب صاحب کے لئے بھی دعا کی ہے۔ بات یہ ہے کہ دعاؤں کی لسٹ اس قدر لمبی ہو گئی ہے کہ دعا ایک Routine بن کر رہ گئی ہے۔ ہر وقت دعا' ہر وقت دعا۔ طبیعت میں دعا کرتے وقت وہ جوش نہیں رہتا۔ محمد شریف کے لئے بھی دعا کرونگا امید تو ہے ان کا کام ہو جائے گا۔ آپ کا کاروبار بھی یقیناً" پھر چمک جائے گا بلکہ غالباً" درست ہو چکا ہو گا"

3۔ اللہ میاں کی مرضی

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 2/9/1971)

"جس دن پنڈی جانے کا ارادہ کیا تو بخار آ گیا۔ اس سے پہلے کراچی جانے کا ارادہ کیا تو وہاں فسادات ہو گئے۔ پھر دو مرتبہ یہی ہوا کہ ادھر سے جانے کا سوچا اور فورا" بخار ہو گیا۔ اب یہ تو اللہ میاں کی مرضی ہے کہ انہیں میرا لاہور سے باہر جانا ابھی منظور نہیں۔ آپ انہیں راضی کر لیں تو میں انشاء اللہ آ جاؤنگا"

4۔ اللہ پر بھروسہ

(بنام محمد قاسم صاحب 1965/6/

"آپ کو قلبی سکون، قوت ایمانی، رزق حلال اور دنیوی اور دینی آسائش سب کچھ مل
سکتا ہے۔ بشرطیکہ پہلے اللہ پر بھروسہ کریں کہ وہ یہ سب کچھ دیگا"

5۔ حسب توفیق

(بنام محمد قاسم صاحب 1965-6-

"مکان کی مرمت حسب ضرورت و خواہش تو نہیں البتہ حسب توفیق ہو گئی ہے اور
کے لائق ہو گیا ہے۔ باقی آئندہ اللہ دے گا تو پھر ہوتی رہے گی"

6۔ روحانی ترقی

(بنام محمد قاسم صاحب 965

"حلقہ والوں کی تعداد بڑھنے سے دل خوش تو ہوتا ہے لیکن یہ دیکھ کر کہ وہ کوئی خا
ترقی نہیں کرتے مایوسی ہوتی ہے۔

"I Want quality and not quanity."

7۔ زندگی بیکار نہیں گئی

(بنام محمد مرتضٰی 1971/1/

"اللہ کرے کہ ہمارا حلقہ پاکستانی عوام اور معاشرہ کے کچھ کام آسکے اور ان کی اصلا
اخلاق کر سکے۔ اگر یہ ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میری زندگی بے کار نہیں گئی"

نئے منصوبوں پر عمل کرنے کی ہمیشہ اجازت دے دیتا ہوں خواہ وہ منصوبے اور تجاویز کامیاب ہوں یا
ناکامیاب، ناکامیابی سے میں کبھی نہیں ڈرا۔ اگر ہم ناکامیوں کے ڈر سے کوئی نیا کام ہی نہ کریں تو گویا ہم کبھی
کچھ کریں گے ہی نہیں۔ ہمارا کوئی قدم بھی آگے نہ بڑھے گا اور ہم پتھر کی طرح ایک ہی جگہ پڑے رہیں
گے۔ لیکن آج میں ان دوستوں سے جنہوں نے سوسائٹی قائم کرنے کی تجویز کی تھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ
آپ نے سوسائٹی کے کام کو آگے بڑھانے اور اتمام تک پہنچانے کے لئے کچھ کیا ہے۔ کتنے آدمیوں سے
بات چیت کی ہے۔ کتنا لٹریچر چھپوایا ہے۔ کہاں کہاں کے دورے کیے ہیں خود کتنا روپیہ دیا ہے وغیرہ وغیرہ
اور اگر آپ نے کچھ بھی نہیں کیا سارا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال کر بے فکر ہو گئے ہیں تو خود سوچئے کہ
آپ کا یہ رویہ کہاں تک حق بجانب ہے۔ آپ اپنے لئے کونسا نام پسند کرتے ہیں۔ میں تو ایسے آدمیوں کو
شیخ چلی کہا کرتا ہوں۔

یہ جو کچھ میں نے بیان کیا یہ تو تھا ہی قابل افسوس لیکن سب سے زیادہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ
بیسیوں اور سینکڑوں مرتبہ بتانے کے باوجود ارکان حلقہ کی اکثریت اب تک یہ بھی نہ سمجھ سکی کہ ہمارا یہ
سلسلہ کیوں قائم کیا گیا ہے اور ہمارے سلسلہ اور دوسرے سلسلوں میں کیا فرق ہے۔ یہ بات چوں کہ میں
ہر ایک آدمی کو بار بار نہیں بتا سکتا اس لئے طریقت توحیدیہ میں کافی وضاحت کے ساتھ لکھ دی ہے۔ لیکن
آپ لوگ تو اس چھوٹی سی کتاب کو غور سے پڑھنے اور اس میں دیئے ہوئے خاص خاص اصولوں کو یاد
رکھنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے، عمل کرنے اور اپنے کردار کو ان اصولوں کے مطابق ڈھال لینے کا
ذکر ہی بے فائدہ ہے۔

میرے خیال میں تو اتنی بات سبھی جانتے ہیں کہ انسان کی تمام شرافت اور ساری بڑائی صرف اس
اصول پر منحصر ہے کہ وہ جن باتوں کو خود اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے اوپر لازم کر لے ان پر دل و جان
سے عمل کرے اور کتنی ہی رکاوٹیں راہ میں حائل کیوں نہ ہوں سب کو ٹھکراتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔
جو فرد یا جماعت ایسا نہیں کرتی وہ کبھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ آج کے خطبہ میں میری سب
سے بڑی نصیحت آپ کو یہی ہے کہ آپ عمل کرنے کی عادت ڈالیں اور یاد رکھیں کہ عمل زندگی ہے اور
بے عملی موت۔

اب میں ایک مرتبہ پھر یہ بتاتا ہوں کہ ہم نے سلسلہ توحیدیہ کیوں قائم کیا ہے۔ پچھلے سال کے خطبہ
میں میں نے بیان کیا تھا کہ ایک اچھے اور سچے مرشد کی تلاش میں دس سال تک ہر قسم کے فقیروں کے پاس

کیا اور ہر رنگ اور ہر سلسلہ کے بزرگوں سے ملا۔ حتی کہ حضرت مولانا کریم الدین احمدؒ سے نقشبندیہ
سلسلہ میں بیعت ہو گیا۔ بیعت ہونے کے بعد جب تک نقشبندیہ سلوک طے نہ کر لیا میں اور کسی بزرگ
سے قطعاً" نہیں ملا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے سالک میں اپنے سلسلہ اور شیخ کا خالص رنگ پیدا نہیں ہوتا'
ورنگی آجاتی ہے اور یہ بہت بڑا نقص ہے۔ تکمیل سلوک کے کچھ عرصہ بعد میں نے پھر فقرا سے ملنا شروع
کیا اور بیس بائیس سال تک ہر رنگ اور ہر سلسلہ کے بزرگوں سے ملتا رہا۔ لیکن پہلے زمانہ کے ملنے اور
ب تکمیل سلوک کے بعد کے ملنے میں بڑا فرق ہے۔ پہلے تو میں عقیدت اور طلب کے جذبہ سے ملتا تھا
اور اب جس سے ملتا اس کو تنقیدی اور تحقیقی نظر سے دیکھتا تھا۔
آپ کو سوال کرنا چاہیے کہ اب میں ان لوگوں سے کیوں ملتا تھا اور ان ملاقاتوں سے میں نے کیا تجربہ
اور علم حاصل کیا۔ میں بتاؤں دراصل مجھ کو بچپن ہی سے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ دنیا میں آنکھیں کھول کر
زندگی بسر کرو۔ اپنے گرد و پیش اور ماحول کے حالات سے پوری طرح باخبر رہو۔ مجھے اس بات کی پوری
تربیت بھی دی گئی تھی اور اب یہ بات میری عادت بن گئی تھی۔ چنانچہ جوں جوں علم و مشاہدہ بڑھتا گیا۔
دل و دماغ میں یہ احساس بھی شدت اختیار کرتا گیا کہ مسلمان جو کبھی اس زمین پر اللہ کے وارث اور خلیفہ
یعنی نائب تھے آج اس قدر پسماندہ اور ذلیل کیوں ہو گئے ہیں کہ دنیا کی ہر ایک قوم ان کو حقارت کی نظر
سے دیکھتی ہے۔ اس احساس کے ساتھ قدرتی طور پر مجھے مسلمانوں کے اسباب زوال کی جستجو شروع ہوئی
اور اس موضوع پر جتنی بھی کتابیں اور مضامین مل سکے سب کا مطالعہ کیا اور مسلمانوں کے مذہبی' معاشرتی
اور اخلاقی حالات کو بہ نظر غائر دیکھا۔ اور ان کے اخلاق و عمل کا موازنہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں اور ان
اقوام کے ساتھ کیا جو آج تہذیب و تمدن کی اجارہ دار خیال کی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں
ترقی کی جو تحریکیں وجود میں آئیں ان کے متعلق بھی بحد امکان پوری معلومات حاصل کیں۔ مثلاً" جمال
الدین افغانیؒ کی تحریک اتحاد المسلمین۔ سید احمد بریلویؒ کی تحریک جہاد۔ ترکی کی تحریک اتحاد و ترقی۔ سید
احمد خاںؒ کی تحریک احیاء العلوم۔ علامہ مشرقی کی تحریک خاکساراں اور ہندوستانی مسلمانوں کی تحریک
خلافت۔ پھر ان تمام تحریکوں کی ناکامیابی کے نفسیاتی اور مادی اسباب پر برسوں غور کیا۔ اس کے علاوہ اچھے
ہوش مند علماء اور باخبر لوگوں سے تبادلہ خیالات بھی کرتا رہا۔ اور آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہمارے زوال
کے ذمہ دار ہمارے تین طبقات ہیں۔
اول بادشاہ اور امراء دوسرے علما اور تیسرے صوفیا۔ چونکہ عوام سارے کے سارے ہر وقت ان

تینوں طبقات سے متاثر ہوتے ہیں اور انہی کی ریس اور پیروی کرتے ہیں۔ اس لئے جب ان طبقات
خرابیاں پیدا ہوئیں تو ساری قوم خراب ہو گئی۔ ان طبقات میں یہ خرابیاں کس طرح پیدا ہوئیں اور
طرح دوسروں پر اثر انداز ہوئیں اس کی مکمل تاریخ لکھنے کے لئے تو ہزارہا صفحات اور بڑا وقت د
ہے۔

اس خطبہ میں نہ یہ سب کچھ بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ یہ اس کا موقع و محل ہے۔ تاہم اس قدر
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خرابی نے سب سے پہلے بادشاہوں اور امیروں کے گھر میں جنم لیا اور
کی ابتدا شاہان بنی امیہ کے زمانہ ہی میں ہو گئی تھی۔ بنو عباس کے زمانہ میں یہ خرابی اور زیادہ ہو گئی اس
وجہ دولت کی زیادتی، حکومت کا نشہ، سامان عیش و عشرت کی افراط اور رفتہ رفتہ قرآن اور سنت
دوری و مہجوری تھی۔ امراء سے یہ وباء علماء کے طبقہ میں پہنچی۔ اکثر بادشاہ اور امراء اپنی سیاسی
معاشرتی ناجائز اغراض کو پورا کرنے کے لئے علماء سے فتوے لیتے تھے جو عالم انکار کر دیتا اس پر عتاب نا
ہوتا اور جو مرضی کے مطابق فتویٰ دے دیتا اس کو مال و زر اور اعزاز و مناصب سے نوازا جاتا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ علماء میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جو علماء سوء کے نام سے مشہور ہے، شاہان
عباس کے زمانہ میں یونان کا فلسفہ اور دوسرے علوم عربی میں ترجمہ کئے گئے جس کی وجہ سے فرقہ مع
وجود میں آیا اور قرآنی آیات اور شعائر دینی کی نئی نئی تاویلات ہونے لگیں اور نئے نئے مسائل پیدا ہو
مثلاً کلام حادث ہے یا قدیم۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔

ان مسائل میں جو علماء بادشاہ وقت کے عقیدے کے خلاف ہوتے ان کو ایذا اور سزائیں دی جا
اور جو متفق ہوتے ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا جاتا۔ اس طرح رفتہ رفتہ علمائے حق کم اور علما
سوء زیادہ ہوتے گئے اور ہمارے زمانہ میں تو ان کے درمیان امتیاز کرنا بھی مشکل ہو گیا۔

حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے
"فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قریب ہی لوگوں پر ایسا وقت آئے گا جب اسلام میں صرف اس کا نام باقی
جائے گا اور نہیں رہے گا قرآن میں سے مگر اس کے نقوش۔ ان کی مسجدیں (بظاہر) آباد لیکن حقیقت
خراب ہوں گی۔ ہدایت سے ان کے علماء آسمان کی نیچے کی تمام مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے۔ ا
سے دین میں فتنہ پیدا ہو گا اور انہی میں لوٹ آئے گا" ملاحظہ فرمایا آپ نے بیہقیؒ تو شاید اپنے ہی زمانہ
اس حدیث کا مصداق خیال کرتے ہوں۔ لیکن اگر ہمارے زمانہ پر بھی یہ صادق نہیں آتی تو پھر شاید وہ زما

کبھی نہ آئے۔

یہ تو تھا ہمارے امراء اور علماء کا حال۔ صوفیاء کا حال اس سے بھی بدتر ہے۔ وہ تصوف جس کی تعلیم حضور سرور کائنات ﷺ نے دی تھی مشکل سے ڈیڑھ دو سو برس قائم رہا۔ جیسا کہ تاریخ تصوف کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے لیکن دوسری صدی ہجری کے آخری ربع سے اس میں طرح طرح کی بدعتیں شامل ہونے لگیں اور اس آب حیات کا وہ چشمہ صافی جو انسانی روح کو قرار واقعی زندگی بخشتا ہے گدلا ہونے لگا اور جوں جوں زمانہ گذرتا گیا مکدر سے مکدر تر ہوتا چلا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو ایسی کوئی تعلیم دے ہی نہیں سکتے تھے جو قرآن کے خلاف ہو اور قرآن نے ہم کو دو باتیں بتائی ہیں ایک یہ کہ ماننے اور پوجنے کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ وہی تمام کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ وہی پیدا کرتا اور مارتا ہے۔ وہی مرنے کے بعد ہمارے اعمال کی جزا و سزا دے گا اور وہی ہم کو پھر قبروں سے زندہ کر کے نکالے گا۔ وہی تقدیریں بناتا اور بگاڑتا ہے وہ ہر لحاظ سے یکتا اور بے مثال ہے۔ نہ اس کا کوئی ثانی ہے نہ شریک یہی وہ توحید ہے جو قرآن سکھاتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا عالم اور صوفی مانا جاتا ہو اگر ہمیں اس توحید کے خلاف کچھ بتائے تو کیا ہمیں اس کی بات مان لینی چاہیے۔

دوسری بات قرآن نے یہ بتائی ہے کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے۔ کہنے کو تو یہ دو لفظ ہیں لیکن یہی دو لفظ انسان کے تمام اعمال و افعال پر حاوی ہیں۔ ان دونوں لفظوں کی تفصیل بھی قرآن نے بتائی ہے اور خیر پر چلنے اور شر سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ یہی وہ قانون ہے جس پر عمل کرنے سے انسان اس دنیا میں امن و سکون، راحت و آرام اور خوشی و مسرت کی زندگی بسر کر کے ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو قوتیں تکوین و ایجاد کی اس کو عطا کی ہیں کو کام میں لا کر زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے اس کو تسخیر کرنے کا اہل بن جاتا ہے۔

اب آپ یہ بتائیں کہ اگر کوئی صوفی ہم کو یہ تعلیم دے کہ اللہ ہم سے الگ اور کوئی ہستی نہیں ہے۔ ہم خود ہی خدا ہیں یا دنیا کی ہر شے خدا ہے۔ یا شر اور خیر سب ڈھونگ ہے نہ گناہ کوئی چیز نہ نیکی کوئی شے ہے۔ نہ عبادت کی ضرورت ہے۔ یا یہ کہے کہ یہ دنیا محض خواب و خیال ہے اس میں ترقی و عظمت حاصل کرنے کا خیال کرنا بھی گناہ ہے۔ اس کے لئے نہ کسی کوشش و سعی کی ضرورت ہے نہ محنت و مشقت کی۔ ان سب کو چھوڑ کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ جاؤ۔ خدا پر توکل کرو وہ تمہارا رزق خود ہی تمہارے پاس بھیج دے

گا تو آپ ہی فرمائیں کہ اس کا یہ کہنا کہاں تک قرآن کی تعلیم کے مطابق ہے۔

اب حقیقت یہ ہے کہ پچھلے ہزار سال سے صوفیوں کی ایک بڑی جماعت یہی تعلیم دے رہی ہے
اب مصیبت یہ ہے کہ عوام امیروں بلکہ علماء سے بھی کہیں زیادہ صوفیوں کو مانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ
لوگ اللہ کے ولی اور اس کے مقرب بندے ہیں خدا ان سے باتیں کرتا ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں خدا کی زبان
سے کہتے ہیں اس لئے ان کا کہا کس طرح غلط ہو سکتا ہے۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ اکثر صوفیوں سے کشف
کرامات سرزد ہوتی دیکھتے ہیں تو ان کا عقیدہ ان صوفیاء پر اور بھی پختہ ہو جاتا ہے اس لئے کوئی لاکھ سر پٹخے
وہ تو انہی کی بات کو سچ جانتے ہیں اور انہی کے کہنے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک ہزار برس
سے ہو رہا ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری قوم بد عقیدگی اور بد اعمالی کے اس درجہ تک گر چکی ہے
جہاں سے اس کو اٹھانا ناممکن نہیں تو بے انتہاء دشوار ضرور ہے۔

قصہ مختصر مدت دراز تک امراء علماء اور صوفیاء کے اعمال و کردار کی تحقیق کرنے اور عمر کا ایک بڑا
حصہ اس میں صرف کر دینے کے بعد میرا یہ خیال یقین کے درجہ تک پہنچ گیا کہ قوم کی گراوٹ اور تباہی
کے ذمہ دار یہی تین طبقے ہیں۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان تینوں طبقوں میں اچھا آدمی کوئی ہے ہی
نہیں، بلا استثنٰی سبھی برے ہیں۔ اچھے لوگ بھی بہت ہیں لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی
ہے۔

امراء میں تین قسم کے آدمی ہیں۔

۱۔ نواب اور زمیندار وغیرہ۔

۲۔ بڑے بڑے تاجر اور سرمایہ دار۔ ۳۔ افسران حکومت

ان تینوں جماعتوں میں ذاتی اور شخصی عیوب کے علاوہ ایک عیب ایسا ہے جس کا اثر عوام پر بہت
زیادہ پڑتا ہے اور وہ ہے عوام کے ساتھ ان کا تحقیر آمیز سلوک، عیاشی اور اوباشی کے عیب کسی میں بھی
ہوں اس قدر رازداری اور پردے میں کیے جاتے ہیں کہ عوام کو معلوم نہیں ہوتا سوائے ان چند افراد کے
جو ان کی ہوس رانیوں کا آلہ کار بنتے ہیں۔ اس لئے ایسے ذاتی و شخصی عیوب کا اثر عام نہیں ہوتا۔ لیکن
ویسے دن رات کی پبلک زندگی اور کاروبار میں چونکہ عوام کا واسطہ چوبیس گھنٹے ان کے ساتھ پڑتا ہے اس
لئے وہ ان کے طریقہ سلوک سے بہت زیادہ اثر پذیر ہوتے ہیں۔ یہ جب اپنے ملازموں، کارندوں، اہل
کاروں، ماتحتوں یا اہل معاملہ سے ملتے ہیں تو اس وقت ان کی حرکات و سکنات اور انداز تخاطب میں اس

قدر رعونت و خشونت اور سختی و درشتی ہوتی ہے کہ ملنے والے اپنے آپ کو سخت ذلیل و حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور چونکہ دن رات ہر جگہ اور ہمیشہ یہی کچھ پیش آتا ہے اس لئے رفتہ رفتہ احساس کمتری اور قنوطیت ان میں اس درجہ سرایت کر جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو واقعی حقیر و ذلیل' بیکس و بے بس اور بے چارہ و ناکارہ خیال کرنے لگتے ہیں۔ ڈر' خوف اور بے حوصلگی ان کی طبیعت ثانی بن جاتی ہے۔ احساس خودی و خودداری' خود اعتمادی اور ذاتی تعزز کا ان میں نام و نشان بھی نہیں رہتا اور رفتہ رفتہ دوسری اخلاقی خوبیاں بھی فنا ہو جاتی ہیں۔ جس قوم کی بھاری اکثریت ایسے آدمیوں پر مشتمل ہو وہ قوم بھلا کیا کام کر سکتی ہے اور دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ کسی طرح دوش بدوش چل سکتی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بڑے بڑے زمیندار اور تاجر اگرچہ اپنے ملازموں وغیرہ کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ نہیں کرتے لیکن اہل معاملہ کے ساتھ خاصی خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ خوش خلقی قطعاً" بناوٹی اور محض کسب زر اور جلب منفعت کے لئے ہے۔ لیکن افسران حکومت تو اہل معاملہ کے ساتھ بھی اسی خشونت و رعونت سے ملتے ہیں جیسے کہ اپنے نجی ملازموں یا ماتحتوں سے۔ الغرض ان لوگوں کی وجہ سے بھی عوام میں اپنی کمتری اور ذلت کا احساس اسی طرح پیدا ہوتا ہے جیسے کہ رئیسوں اور تاجروں کے سلوک سے ہوتا ہے۔

دوسرا طبقہ علماء کا ہے۔ ان کا سلوک بھی عوام کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہے جیسا کہ امراء کا۔ یہ بھی غریبوں سے اسی رعونت اور خشونت سے پیش آتے ہیں جیسے کہ امراء اور افسر' امراء اور افسروں کو اپنی دولت اور حکومت کا زعم ہوتا ہے۔ علماء کو اپنے تقویٰ اور علم کا غرور ہوتا ہے۔ یہ اپنے آپ کو جنتی اور دوسروں کو دوزخی جانتے اور ان سے سیدھے منہ بات کرنے میں بھی شاید اپنی توہین سمجھتے ہیں اگر ایک غریب آدمی ان کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے جائے اور مولانا کی بات سے اس کی تسلی نہ ہو اور وہ کوئی جرح کر دے تو سمجھ لو کہ اس کی شامت آ گئی۔ وہ صلواتیں سننی پڑتی ہیں کہ خدا کی پناہ' اگر کوئی ایسا شخص جس کی ڈاڑھی منڈی یا کتری ہوئی ہو۔ لبیں بڑھی ہوئی ہوں۔ یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا ہو ان کی خدمت میں حاضر ہو تو اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ میں یہ باتیں کہاں تک گنواؤں۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ الطاف حسین حالی نے جو کچھ مسدس حالی میں ان کی بابت تحریر فرمایا ہے وہی لکھ دوں۔ وھوھذا

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی
جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی

گناہ گار بندوں کی تحقیر کر لی
مسلمان بھائی کی تحقیر کر لی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے بابوں کا ہمارے سلیقہ
کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے
تو گردن پہ بار گراں لے کے آئے
اگر بدعتی سے شک اس میں لائے
تو مطلق عذاب اہل دوزخ کا پائے
اگر اعتراض اس کی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے
کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے
کبھی جھاگ پہ جھاگ ہیں منہ پہ لاتے
کبھی ٹوک اور سک ہیں اس کو بتاتے
کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے
ستوں چشم بد دور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خلق رسول ﷺ امیں کے

الغرض یہ ہے سچی تصویر ہمارے علمائے سو کی۔ میری نظر سے ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات ہو

ایسے ہی گزرے ہیں۔ آج سے کوئی بیس بائیس سال پہلے کا ذکر ہے کہ ایک دن میں عصر کی نماز پڑھنے

کی ایک اچھی بڑی اور معروف مسجد میں گیا۔ جماعت ہو چکی تھی اس لئے میں نے اپنی نماز اکیلے ہی پڑھی

نماز پڑھنے کے بعد میں کچھ وظیفہ پڑھ رہا تھا کہ یہ آواز کان میں آئی

"تم سے کہا کس مردود نے تھا کہ اپنے لڑکے کو انگریزی پڑھاؤ۔ اب مجھے کیا کہتے ہو جاؤ دفع ہو جاؤ

یہ بات سن کر میں نے سر موڑا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد کے پیش امام صاحب ایک آدمی سے مخاطب ہیں۔

غریب مولانا کی بات سن کر بہت حیران ہوا اور کہنے لگا "کیا انگریزی پڑھنا گناہ ہے" مولانا تو یہ بات سن

آگ بگولا ہو گئے۔ فرمانے لگے۔ گناہ کا بچہ اب یہ تو کفر ہے کفر۔ یہ جتنی بے دینی پھیل رہی ہے سب
انگریزی کی ہی وجہ سے ہے۔ چلو یہاں سے دفان ہو" یہ کہہ کر مولانا نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور
وہ بے چارہ جوتے اٹھا کر چل دیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی اٹھا۔ مسجد سے باہر آ کر میں نے اس سے پوچھا
کہ "کیا معاملہ تھا" کہنے لگا "جی کیا بتاؤں۔ میرا لڑکا میٹرک کے امتحان میں فیل ہو گیا ہے اور اس وجہ سے
رنجیدہ ہے کہ کوئی کام ہی نہیں کرتا۔ پڑھنا لکھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا تھا کہ
کوئی تعویذ دے دیں تاکہ اس کا دل پڑھائی میں لگنے لگے تو وہ کہتے ہیں انگریزی پڑھنا ہی کفر ہے" وہ تو یہ
کہہ کر ایک طرف چلا گیا اور میں کچھ سوچتا ہوا اپنے گھر چلا آیا۔ یہ ایک واقعہ ہے ان سینکڑوں واقعات میں
سے جو خود میں نے دیکھے ہیں۔

قرآن تو کہتا ہے کہ "اللہ کے راستہ کی طرف حکمت اور پیاری پیاری نصیحت کے ساتھ لوگوں کو
بلاؤ" لیکن ہمارے علماء کا طریقہ نصیحت تو ایسا کڑوا ہے کہ جس کو ایک مرتبہ واسطہ پڑ جائے وہ تو پھر دوبارہ
ان کے پاس جانے کا نام بھی نہیں لیتا۔ اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اصلاح تو ہوتی نہیں' دین سے نفرت
ہو جاتی ہے۔ خصوصاً انگریزی تعلیم یافتہ تو ان مولویوں کی بداخلاقی کو دیکھ کر بالکل ہی بے دین ہو جاتے
ہیں۔ وہ دین سے تو واقف ہوتے نہیں۔ ان علماء ہی کو دیکھ کر دینی تعلیم کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اور یہ باور کر
لیتے ہیں کہ دین اسلام میں غصہ' نفرت اور سختی و درشتی کے سوائے ہے ہی کچھ نہیں۔ ان میں سے کتنے ہی
عیسائی ہو جاتے ہیں اور محض اس واسطے ہو جاتے ہیں کہ عیسائی خود اور ان کے پادری بہت اچھے اخلاق
کے ساتھ ان سے ملتے ہیں اور اکثر مصیبتوں میں ان کی مدد بھی کرتے ہیں۔

علماء کا کام صرف یہی تو نہیں کہ مسجد میں نماز پڑھا دی۔ جمعہ کے دن خطبہ سنا دیا۔ مدرسہ میں درس
دیدیا۔ یا مسئلے مسائل سمجھا دئے وہ تو نائب رسول ﷺ ہیں۔ اس لئے ان کا فرض تو یہ ہے کہ قوم کا
اخلاق رسول ﷺ کے معیار پر قائم رکھیں۔ قوم کے افراد میں اتحاد اور محبت و اخوت پیدا کریں۔ تاکہ
ان کی قوت اور طاقت میں کمی نہ آنے پائے اور قوم دن بدن مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائے۔ مگر یہاں
تمام باتیں الٹی ہیں۔ اخلاق وہ سدھار سکتا ہے جس کا اخلاق خود اچھا ہو اور ان کے اخلاق کا نمونہ ابھی بیان
ہوا۔ اسی طرح محبت و اخوت صرف وہ لوگ پیدا کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خود محبت اور اخوت کے
جذبات موجزن ہوں۔

یہاں تو یہ حال ہے کہ قوم میں ارتباط پیدا کرنے کی بجائے اس کے ٹکڑے کئے جا رہے ہیں کتنے ہی

فرقے ہیں اور ہر فرقہ کے علماء اپنے آپ کو حاجی اور دوسروں کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ پرائیویٹ بات چیت
کسی انجمن میں گفتگو۔ پبلک جلسوں میں تقریریں ہوں یا مساجد کے منبروں سے جمعہ کے خطبے ہر جگہ
دوسرے کو برا بھلا کہنا اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا ان کا شیوہ ہے۔ اخلاق پر کسی کو تقریر کرتے آپ
سنا ہے؟ محبت و اخوت اور رابطہ و اتحاد کی تحریک کسی عالم نے کبھی پیش کی ہے۔ عوام ان کی حرکات
دیکھ کر خود بھی اسی رنگ میں رنگ گئے ہیں۔

الغرض! کہاں تک بیان کروں میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں یہ بھی برائی ہے اور برائی خواہ کیسے
حالات میں کی جائے آخر برائی ہے۔ میرا دل ایسی باتیں کرنے سے بہت دکھتا ہے۔ لیکن انتباہ اور آگاہی
لئے کہنا ہی پڑتا ہے۔ نیت بخیر ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ نہ بتاؤ اور نہ ظاہر کرو تو بھی شاید اللہ
باز پرس کر بیٹھے کہ جب تو جانتا تھا تو بتایا کیوں نہیں۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ میرا سچا دوست وہ ہے جو میری برائیوں کا تحفہ لے کر میرے پاس آتا
رسول اکرم ﷺ کی حدیث ان علماء سو کے بارے میں ابھی بیان کی جا چکی ہے ایک بار اس کو پڑھ
لیں۔

مشہور انگریز فلاسفر فرانسس بیکن کہتا ہے کہ "مذہبی فرقے اگر زیادہ ہو جائیں تو اس سے قوم میں
پیدا ہوتا ہے" اس کا یہ کہنا بالکل درست اور بجا ہے۔ مسلمانوں میں دین سے تغافل اور بے پروائی کی
وجہ یہی ہے کہ ہمارے ہاں بھی بہت سے فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔ ہر فرقہ کے علماء اور مقلد دوسرے فرقے
کو گمراہ بتاتے اور قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہیں تو سننے والوں کے دلوں میں نادانستہ طور پر یہ بات
جاتی ہے کہ یہ سبھی جھوٹے اور غلط راستوں پر گامزن ہیں یا یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمارے مذہب
تعلیم میں ہی اس قدر متضاد باتیں موجود ہیں کہ ہر فرقہ اپنی سچائی اور دوسروں کے بطلان کا ثبوت ایک
کتاب سے پیش کر سکتا ہے۔ اس لئے سارا مذہب ہی گویا بازی گر کا پٹارہ ہے کہ اس میں سے جو چاہو
کر دکھا دو۔ انگریزی تعلیم یافتہ لوگ اس فرقہ بندی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور مذہب سے بیزار
جاتے ہیں۔

الغرض! علماء کی صحبت میں بیٹھنے' پرائیویٹ اور پبلک جلسوں میں ان کی باتیں سننے اور ان کی نجی
پبلک زندگی کا دور و نزدیک سے گہرا مطالعہ کرنے کے بعد میں یہی رائے قائم کرنے پر مجبور ہوا کہ ہمارے
درد کا علاج ان کے پاس بھی نہیں ہے یہ تو بنانے کی بجائے اور بگاڑ رہے ہیں۔ تعمیر کی بجائے تخریب

مصروف ہیں۔ اب تھوڑا سا حال صوفیائے کرام کا بھی سن لیں۔ ان کا علم تو مجھے امراء اور علماء سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ جیسا میں پچھلے سال کے خطبے میں بیان کر چکا ہوں میں نے اپنی تمام عمر ہی کسب تصوف میں بسر کی ہے اور اس کے ہر شعبہ اور ہر رنگ سے خوب واقف ہوں۔ لیکن صوفیوں کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے یہ بتا دینا بہت ضروری ہے کہ تصوف کیا ہے۔ اس کا موضوع و مقصد کیا ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے اور جب آدمی کامل صوفی بن جاتا ہے تو پھر اس کا کام کیا ہوتا ہے۔

اب مختصر طور پر سنئے کہ تصوف ایک علم ہے جس کا موضوع ہے ان طاقتوں اور ہستیوں کی حقیقت معلوم کرنا جن پر ہمارے مذہب کی بنیاد قائم ہے اور جن کو بغیر دیکھے اور بغیر ثبوت کے ماننا ہمارا پہلا فرض ہے اور انہی کے مان لینے کو ایمان بالغیب کہتے ہیں۔ وہ طاقتیں اور ہستیاں ہیں۔ اللہ' فرشتے' الہامی کتب' رسول جن پر یہ کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ قیامت کا دن اور حیات بعد الموت اور جزا اور سزا کے سلسلہ میں جنت اور دوزخ ان تمام میں سے انسان صرف الہامی کتب اور رسولوں کو دیکھ سکتا ہے لیکن وہ فرشتہ جو یہ الہام لے کر اللہ کی طرف سے آتا ہے نہیں دکھائی دیتا۔

اب تصوف کا موضوع صرف یہ ہے کہ ان چیزوں کا علم اور حقیقت معلوم کرے کہ اللہ کیا ہے' کیسا ہے۔ مخلوق سے اس کا کیا تعلق ہے۔ قرآن میں وہ اپنے لیے ہاتھ۔ آنکھ' کان اور نفس و روح وغیرہ کا ہونا بیان کرتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے۔ وہ ہاتھ' آنکھ' کان اور نفس و روح وغیرہ کیسے ہیں۔ کیا وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ ہمارے یا اور کسی طرح کے۔ کیا اللہ کی شکل اور جسم انسان ہی جیسا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں بیان ہوا ہے اور اگر اس کی شکل و صورت اور جسم انسان جیسا ہی ہے تو پھر وہ ہر جگہ حاضر و ناظر کیسے ہوتے ہیں۔ وحی یا الہام کیونکر ہوتا ہے۔ دوزخ و جنت کی حقیت کیا ہے اور وہ کہاں ہیں۔ کیا آدمی جیتے جی ان کو دیکھ سکتا ہے یا صرف ان کا علم حاصل ہوتا ہے پھر ان چیزوں کے علم و معرفت کے حصول کے لئے یہ جاننا بھی تصوف ہی کے دائرے میں ہے کہ کائنات کیا ہے۔ مادہ کیا چیز ہے۔ روح و نفس کیا ہیں۔ عقل و جذبات کی حقیقت کیا ہے۔ انسان کیا ہے' کہاں سے آتا ہے کہاں چلا جاتا ہے۔ پیدا ہونے سے پہلے کیا تھا مرنے کے بعد کیا بن جائے گا وغیرہ وغیرہ

اب رہی دوسری بات کہ ہم کو ان باتوں کا علم حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے تو وہ چند باتیں ہیں۔ یعنی اول تو انسان کو اپنی زندگی ظاہری اور باطنی دونوں طرح پاکیزہ بنانی پڑتی ہے۔ پھر اس کو اپنے اخلاق کا تزکیہ کرنا پڑتا ہے۔ یعنی یہ کوشش کرنی پڑتی ہے کہ جتنی اخلاقی برائیاں ہیں وہ سب دور ہوں اور

جتنی خوبیاں ہیں وہ سب پیدا ہو جائیں۔ اس کے لئے کیا کچھ ریاضت اور مجاہدہ بھی کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو شریعت کی پوری پابندی کرنی اور ہر لحاظ سے رسول کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنا پڑتا ہے۔ مدت دراز تک ایسا کرنے کے بعد آہستہ آہستہ بزرگی اور بڑائی پیدا ہوتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ انسان کامل ہو جاتا ہے۔ جو لوگ تھوڑی محنت اور تھوڑا عمل کرتے ہیں ان کو تھوڑا سا حصہ مل جاتا ہے اور جو زیادہ کرتے ہیں ان کو زیادہ۔ بدنصیب اور بیوقوف ہیں وہ لوگ جو کچھ بھی نہیں کرتے اور اپنے مرشد کے سر رہتے ہیں کہ ایک نظر میں کامل بنا دو۔

اب سوال یہ ہے کہ جب انسان کامل بن جاتا ہے تو پھر اس کا کام کیا ہوتا ہے۔ اس کا کام بھی یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کی اصلاح کرے۔ ان کو اللہ کا سیدھا راستہ بتائے۔ اخلاق سکھائے۔ لوگوں سے برائیاں اور گناہوں کی عادت چھڑائے اور نیک بنائے اور اگر کوئی اس سے زیادہ چاہتا ہے تو اس کو تصوف سکھائے اور اپنی طرح سے بزرگ بنائے۔ اس پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب علماء اور صوفیاء دونوں ہی کا کام اصلاح اور اخلاق کی درستی ہے تو عالم بن جانا ہی کافی ہے' اس قدر پاپڑ بیلنے اور ریاضت اور مجاہدہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ علماء صاحب قال ہوتے ہیں اور صوفی صاحب حال۔ علماء کے کہنے کا دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن صوفی اگر واقعی کامل ہو تو اس کے کہنے کا اثر بہت جلدی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں صوفی کے دل میں ایک طاقت ہوتی ہے وہ اس طاقت کو جس کے دل پر ڈال کر قوت ارادی سے کام لیتا ہے اس کی کیفیات کو رفتہ رفتہ بدل سکتا ہے اور اس کے دل پر جو زنگ ہوتا ہے اس کو آہستہ آہستہ دور کو دیتا ہے۔ اس طرح انسان آہستہ آہستہ بد سے نیک اور شقی سے سعید بن جاتا ہے۔

اب اس سے زیادہ اچھا کام اور کیا ہو سکتا ہے کہ معاشرہ کو برے آدمیوں اور برائیوں سے پاک کرکے اس میں نیک آدمیوں اور نیک کاموں کا اضافہ کیا جائے۔ انبیاء کا کام بھی یہی تھا اور جو بزرگ یہ کام کرتے ہیں صحیح معنوں میں وہی انبیاء کے وارث اور نائب کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس کے علاوہ ان بزرگوں کا کام تبلیغ اسلام ہے۔ آج اقصائے عالم میں جو مسلمان نظر آتے ہیں اور جو تعداد میں پچاس ساٹھ کروڑ سے کسی طرح کم نہیں ہیں وہ انہیں بزرگوں کی محنت کا ثمر ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام مسلمان بادشاہوں کے زور بازو سے پھیلا ہے وہ بتائیں کہ انڈونیشیا' چین وغیرہ میں جو کروڑوں مسلمان آباد ہیں وہاں کونسے بادشاہ فوجیں لے کر گئے تھے۔ ہندوستان میں بھی سلطنت اسلامیہ قائم ہونے سے پہلے لاکھوں آدمی مسلمان ہو چکے تھے اور یہ بھی مسلمان صوفیوں کی محنت و تبلیغ ہی سے مسلمان ہوئے تھے۔ ان بزرگوں میں

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ذات بابرکات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آج کل دوسرے مذاہب کے لوگوں کو مسلمان بنانے کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی کہ خود مسلمانوں کی اصلاح کرنے کی۔ لیکن آپ غور فرمائیں تو یہ کام مطلق نہیں ہو رہا ہے۔

الغرض! یہ ہیں وہ کام جو تصوف میں کامل ہونے کے بعد صوفیاء پر لازم اور فرض ہو جاتے ہیں۔

جو کچھ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے اگر آپ نے غور سے سنا اور پڑھا ہے تو آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ تصوف اور اس کا مقصد کیا ہے اور اس میں کمال حاصل کرنے والے کیا کرتے ہیں۔

اب اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد اپنے زمانہ کے صوفیوں اور بزرگوں کا مقابلہ ان بزرگوں سے کریں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور دیکھیں کہ یہ صوفی اور پیر (دو چار فیصدی کو چھوڑ کر) اسلام اور اہل اسلام کی کیا خدمت کر رہے ہیں اور قوم کے لئے کہاں تک مفید یا مضر ہیں۔

میرا خیال ہے کہ آپ حضرات میں سے شاید ہی کوئی ہو جس کو دس بیس پیروں فقیروں سے ملنے یا ان کو دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو۔ اس لئے آپ خود فیصلہ کریں کہ یہ پیر فقیر معاشرے کے لئے کہاں تک مفید ہیں یا مضر۔ انہوں نے آپ کو اللہ، رسول ﷺ اور روحانیت کے متعلق کیا بتایا ہے۔ ان کی صحبت میں آپ کے اخلاق کی کتنی اصلاح ہوئی ہے۔ کوئی بڑا گاؤں یا قصبہ شاید ہی ایسا ہو گا جہاں دو چار پیر فقیر موجود نہ ہوں۔ ان میں عام طور پر صرف، دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ مجذوب قسم کے فقیر جو برہنہ بیٹھے ہوئے چرس کے دم لگاتے اور طرح طرح کی بڑیں مارتے رہتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو تعویذ گنڈے کرتے ہیں۔ دیہات کے سیدھے سادے لوگ ان سب کو ولی اللہ جان کر ہر وقت ان کے گرد جمع رہتے ہیں اور کوئی ضرورت یا مصیبت ہو خدا پر بھروسہ کر کے اپنی قوت بازو اور عقل سے کام لینے کی بجائے انہی پیروں اور فقیروں کے پاس دوڑے آتے ہیں۔ مجذوبوں سے دعا کراتے اور دوسروں سے تعویذ گنڈے لیتے ہیں۔ پھر ان تعویذ گنڈے والوں میں ایسے بھی ہیں جو سفلی عمل اور کالا علم جانتے ہیں اور لوگوں کو بیمار ڈالنے اور تباہ کرنے کے لئے مصروف عمل رہتے اور نذرانہ میں بڑی بڑی رقمیں لیتے ہیں۔ جو پیر یا فقیر تھوڑا بہت پڑھے لکھے ہیں ان کی باتیں سن کر سر پھوڑنے کو دل چاہتا ہے۔ درحقیقت ان کی باتوں اور قصے کہانیوں نے جتنا نقصان دین کو پہنچایا ہے اور کسی چیز نے نہیں پہنچایا۔ (جاری ہے)

اخلاق اور اخلاقیات

(چوہدری محمد ...

قلبی محبت معرفت اور پہچان کے بغیر ممکن ہی نہیں آنحضرت ﷺ کی حدیث مبارکہ ا...
دلیل ہے کہ "خدا کبھی کسی جاہل کو دوست نہیں بناتا" اللہ تعالیٰ کی معرفت یا پہچان کے دو را...
ہیں ایک علمی اور دوسرا مشاہداتی۔

علمی راستہ

حقیت کبریٰ تک رسائی حاصل کرنے کا یہ طریق فلاسفہ کا طریق ہے جو مقدمات قائم کر...
علمی دلائل و براہین کی مدد سے تلاش حق کی کوشش کرتے ہیں اور بعض محققین علمی حد...
حقیقت کو پا لیتے ہیں اور اکثر دلائل کے پر خار جنگل میں بھٹکتے رہتے ہیں اور بمصداق "انھے...
ہرناں پچھے" سراب کے پیچھے بھاگتے بھاگتے ساری عمر ضائع کر دیتے ہیں جو کامیاب بھی ہو جاتے...
وہ بھی علم الیقین تک ہی رہتے ہیں عین الیقین اور پھر حق الیقین کی دولت انہیں نصیب نہیں...
اس لئے شکوک و شبہات کی وجہ سے قلبی سکون میسر نہیں آتا اور علم الیقین بعض اوقات...
الیقین میں بدل جاتا ہے کیونکہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام...
مرنے کے بعد جی اٹھنے کی حقیقت کو آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی تاکہ حق الیقین...
بعد اطمینان قلبی حاصل ہو سکے۔ اس طریق کار میں چونکہ عقل کا عمل دخل ہوتا ہے اور عقل...
پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں اسی لئے درویش لاہوری نے فرمایا ہے کہ۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

مشاہداتی راستہ

یہ تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کا راستہ ہے۔ قلب اگر ماسوا اللہ کی محبت سے پاک ہو جا...
اس میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنا مسکن بنالیتا ہے جیسے حضور ﷺ...
کے فرمان کا مفہوم ہے کہ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کو کسی عارف با...

نے اپنی زبان میں یوں بیان کیا ہے؟

من نہ گنجم ہیچ در شرق و غرب
در دل مومن بگنجم ایں عجب

ترجمہ! میں شرق و غرب میں کہیں نہیں سما سکتا مومن کے دل میں سما جاتا ہوں یہ ایک عجیب بات ہے۔

اس مشاہداتی راستے کے پھر دو راستے ہیں ایک اجابت یعنی فضل کا راستہ اور دوسرا مجاہدہ نفس کا راستہ۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سورۃ الشوریٰ میں یوں واضح فرمایا ہے اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی من ینیب "اللہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے چن لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی اس کی طلب میں سعی کرے اسے اپنی طرف راہ دیتا ہے۔ اب فضل والا راستہ تو بہت ہی آسان ہے (نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی) اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے جسے چاہتا ہے اپنی محبت کے لئے خاص کر لیتا ہے اس میں سعی و کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ شاہ حسین لاہوری کی زبان میں "جسے شوہ چاہے وہی سہاگن" مگر ایسے خوش نصیب بہت کم ہوتے ہیں۔

جسے چاہا اپنا بنا لیا جسے چاہا در پہ بلا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت کوشش سے نہیں ملتی محض اللہ تعالیٰ کی بخشش سے ہی ملتی ہے)

مولوی غلام رسول صاحبؒ کس خوبصورتی سے احسن القصص میں فرماتے ہیں۔

عشق کرم دا ازلی قطرہ تیں میں دے وس ناہیں
اکناں لبھ دیاں ہتھ نہ آوے اکناں دے وچ راہیں
اکناں کھپدیاں عمر گنوائی پلے پیا نہ کائی
اکناں ہوش جدو کی آئی ایہ نعمت گھر پائی

حکائت

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک عاشق صادق بہلول دانا (جنہیں بعض بہل
دیوانہ کہتے تھے) شاہی محل کے قریب سے گزر رہے تھے۔ بادشاہ مصاحبوں کے ہمراہ بالاخانہ پر بیٹ
اسے اس مرد درویش سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ شاہی کارندوں کو حکم دیا کہ انہیں کمند کے ذریعے ا
اٹھالو چنانچہ ایسا کیا گیا۔ بادشاہ نے ادب سے عرض کی کہ یا حضرت حصول قرب الٰہی کا کوئی آ
طریقہ بتائیں تو حضرت نے فرمایا کہ ابھی بھی تمہیں سمجھ نہیں آئی۔ تم ایک چھوٹے سے خطے
عارضی بادشاہ ہو اور تم نے مجھے اپنے پاس بلانا چاہا تو ذرا سی دیر میں میں تمہارے قریب پہنچ گیا۔
میں تم سے ملنا چاہتا تو پتہ نہیں کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے پھر بھی ملاقات کی کوئی ضمانت نہ ہوتی۔ اللہ تعا
احکم الحاکمین ہے جس کو چاہے ہدایت دے اور مقرب و محبوب بنائے (اللہ یجتبی الیہ من یـ
ایسے کئی بزرگ گزرے ہیں جن کے دلوں کے حجاب یکدم اٹھ گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کے محب
بندے بن گئے۔ ان کی اگر حکایات لکھی جائیں تو بعض حضرات کے بدکنے کا خطرہ ہے لہٰذا ق
پاک میں درج اس قسم کے ایک واقعہ کی طرف توجہ مبذول کروائی جاتی ہے کہ فرعون کے
گروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک ہی معجزہ سے سارے حجابات اٹھ گئے ایسا عرفان حا
ہوا کہ فرعون کے سارے عذابوں اور ایذا رسانیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پکار اٹھے لن نوئ
علی ما جانا من البینات (القرآن طه) ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے ان روشن دلیلوں پ
ہمارے پاس آئیں (تو جو کچھ کرنا ہے کر گزر) جب کوئی مشاہدہ حق کے ذریعے حقیقت آشنا ہو جاتا
اگر فطرت مسخ نہ ہوگئی ہو تو باطل کی طرف نہیں پلٹتا۔

کرتی ہے دو عالم سے بیگانہ دل کو
عجب شے ہے لذت آشنائی

یہ اللہ یجتبی الیہ من یشاء کا کرشمہ تھا کہ جس نے آن کی آن میں کایا پلٹ دی۔
نہ کوئی مجاہدہ کیا، نہ مراقبے کئے، نہ چلہ ہائے معکوس کی اذیتیں اٹھائیں اور نہ ہی حبس د

توبت الی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے جادوگروں کو اپنا محبوب بنا لیا تو وہ سجدہ میں گر پڑے اور پہلا اعلان کیا کہ ہم تمام عالموں کے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں (یہ ہے کرم کا ادنیٰ قطرہ)

دوسرا راستہ

یھدی الیہ من ینیب یا انابت یعنی رجوع الی اللہ کا راستہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو کوئی میری طرف رجوع کرتا ہے میں اسے اپنی طرف راہ دے دیتا ہوں جتنی کوئی کوشش کرتا ہے اتنا ہی پاتا ہے۔ اگر کوئی ایک قدم چل کر آئے تو میں دس قدم چل کر آتا ہوں اگر کوئی چل کر آئے تو میں دوڑ کر آتا ہوں لہٰذا یہ راستہ بھی بڑا آسان معلوم ہوتا ہے مگر مشاہدہ و تجربہ اس کے برعکس دکھائی دیتا ہے۔ انسان کھپدیاں عمر گوائی تے پلے پیا نہ کائی والی بات زیادہ نظر آتی ہے کہ ہر مقصود کسی کسی کے ہاتھ آتا ہے پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے بقول "کوئی ورلیاں موتی لے تریاں"

بقول عارف کھڑی "رل مل سیاں پانی نوں چلیاں کوئی کوئی مڑسی بھر کے"

مثنوی منطق الطائر کا خلاصہ ہے کہ تمام پرندوں کو شاہپر کی تلاش تھی سب مل کر اس کی تلاش میں نکلے پہاڑ کی بلند ترین چوٹی پر اس کا بسیرہ بنایا گیا تھا سب نے اس پر چڑھنا شروع کر دیا۔ چڑھتے رہے اور کئی راستے میں گرتے رہے آخر کار صرف ایک پرندہ اس چوٹی کو سر کرنے میں کامیاب ہوا جب اس نے دیکھا کہ میرے سوا چوٹی پر اور کوئی ہے ہی نہیں تو سمجھا کہ وہی شہپر ہے اور انا الحق کا نعرہ لگا دیا اس طرح سراب کو حقیقت سمجھ بیٹھا مطلب بیان کرنے کا یہ ہے کہ اتنی مصیبتوں سے اتنا فاصلہ طے کرنے کے بعد بھی منزل ہاتھ نہ آئی۔ تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ باوجود اللہ تعالیٰ کے وعدے کے کہ جوئندہ یابندہ پھر بھی لوگ (سالک) کامیاب کیوں نہیں ہوتے۔ لاریب اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے کمی ہے تو سالک کی سعی میں ہے اب کمی کا سراغ لگانا ہے کہ کہاں پر ہے وہ کمی خلوص میں ہوتی ہے سچی طلب میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین میں کمی ہوتی ہے۔ (جاری ہے)

علی محمد موری (جاپان)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

دوسری جنگ عظیم کے دوران میں منچوریا میں تھا۔ ان دنوں منچوریا میں جاپان ہی غالب قوت کی حیثیت سے قابض تھا۔ وہیں پائی چنگ کے قریب ایک صحرائی نخلستان میں مجھے پہلی مرتبہ مسلمانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ نیکی اور پارسائی کا حسین مرقع تھے۔ میں ان کی معاشرت خصوصاً" اس بے حد متوازن ۔۔۔ نقطہ نظر سے بہت متاثر ہوا جو وہ زندگی کے بارے میں رکھتے ہیں۔ جوں جوں منچوریاں کے اندرونی علاقے میں سفر کرتا رہا۔ میرا یہ تاثر گہرا ہو کر خوشگوار صورت اختیار کرتا گیا۔

جنگ ختم ہوئی تو میں 1946ء کی گرمیوں میں واپس وطن آ گیا۔ جاپان اب ایک شکست خوردہ ملک تھا۔ ملکی صورت حال مکمل طور پر بدل چکی تھی اور خیالات میں زبردست انقلاب آ گیا تھا۔ بدھ ازم ملک کا اکثریتی مذہب تھا، مگر اب اس کی صورت پہلے سے بھی زیادہ مسخ ہو چکی تھی اور چہ جائیکہ وہ ہزیمت خوردہ ذہنوں کا کوئی شافی علاج پیش کرتا، اس نے معاشرے کو الثابدی اور بے اطمینانی کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔

عیسائیت نے جنگ کے بعد جاپان میں خاصا نفوذ کیا بلکہ کم و بیش ایک صدی سے جاپان میں اس کا وجود قائم چلا آ رہا تھا، مگر اس کی حیثیت ایک رسمی مذہب سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ شروع شروع میں کچھ سادہ دل، مخلص اور نیک سیرت نوجوانوں نے بدھ ازم کو تج کر اسے قبول بھی کر لیا لیکن انہیں بہت جلد پتہ چل گیا اور ان کی مایوسی کی انتہاء نہ رہی کہ عیسائیت مذہب کے لبادے میں دراصل برطانوی اور امریکی سامراج کے لئے جال مہیا کرتی ہے۔ عیسائیت تمام یورپی اور امریکی ممالک میں ناکام ہو چکی ہے، مگر دوسرے ممالک میں

سامراجی عزائم کے تحت اس کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

جغرافیائی طور پر جاپان کے ایک طرف روسی عفریت پھنکار رہا ہے اور دوسری طرف امریکہ واقع ہے۔ دونوں اپنی اپنی توفیق کے مطابق جاپانی عوام کو متاثر کرنا چاہتے ہیں مگر کسی کے پاس کوئی ایسا مرہم نہیں جو جاپانیوں کی زخمی روحوں کو تسکین بخش سکے۔ ظاہر ہے ان سے ایسی امید ہی عبث ہے۔

بہر حال 1960ء کی گرمیوں کا ذکر ہے' پاکستان سے تین مسلمان ہمارے شہر ٹاکن شن آئے۔ منچوریا کے مسلمانوں کی وساطت سے اسلام سے پہلے ہی متعارف تھا۔ پاکستانی مسلمانوں کے کردار نے اور بھی متاثر کیا اور میں نے ان کے قریب ہو کر اسلام کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ زندگی کے سارے دکھوں کا علاج اسلام کی اطاعت میں ہے اور یہی وہ مذہب ہے جو سارے مسائل کا قابل عمل حل مہیا کرتا ہے۔ خصوصا" میں اسلام کے نظام اخوت سے بہت متاثر ہوا سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور خدا نے انہیں باہمی طور پر محبت اور ہمدردی سے رہنے کی تاکید کی ہے۔ میرا یقین ہے کہ دنیا کو آج اسی قسم کی اخوت کی اشد ضرورت ہے۔ المختصر مزید اطمینان اور وضاحت کے لئے کوبے سے مسٹر موتی والا اور ٹوکیو سے مسٹر میتا میرے پاس آئے اور میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ دنیا کو اسلام کی جتنی ضرورت آج ہے' شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ اگر دنیا اسلام کی نعمت کو قبول کر لے تو سرزمین ارضی امن و جنت کا لازوال نمونہ بن سکتی ہے اور دکھوں اور بلاؤں میں گھرا ہوا یہ باغ جنت میں بدل سکتا ہے۔

تقاضائے غفور رحیمی

(محمد اشرف انج

عام لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری نماز و روزہ کی کیا ضرورت ہے۔ وہ
غفور رحیم ہے۔ وہ ہمیں سزا دے کر کیا کرے گا۔ ایک حدیث شریف ہے۔

من قال لا الہ الا اللہ داخل الجنتہ

"یعنی جس نے کلمہ پڑھ لیا وہ جنت میں جائے گا" معلوم ہوا جتنے چاہے گناہ کرو آخر
جنت میں چلے ہی جائیں گے۔

دراصل لوگ اس حدیث شریف کا مطلب نہیں سمجھے۔ مطلب سمجھنے کے لئے یہ
واضح کردے گی۔ اگر کوئی حکیم کسی سے یہ کہے کہ خمیرہ گاؤ زبان کھاؤ۔ بہت مفید ہے۔
کو قوت دیتا ہے۔ نزلہ کو رفع کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ فائدہ اس وقت ہو گا جب
کا معارض استعمال نہ کیا جائے۔ اگر اس کے ساتھ اس کا معارض بھی استعمال کیا جائے تو
نہیں ہو گا۔ پھر معارض دو قسم کے ہیں۔ ایک جو اثر بالکل ختم کر دیتا ہے۔ جیسے خمیرہ کھایا
کے بعد زہر کھالیا تو خمیرہ کا اثر بالکل نہیں ہو گا۔ بلکہ انسان مرجائے گا۔ دوسرے جو اثر
سے کرتا ہے۔ جیسے کھٹائی املی وغیرہ اگر کھائی، مرے گا تو نہیں، البتہ تاخیر ضرور ہو گی کہ
کما حقہ، نہیں ہو گا۔ اسی طرح سمجھ لیا جائے کہ لا الہ الا اللہ کا اثر داخلہ جنت کا اس
مستحقق ہو گا جب اس کا معارض کلمہ کفر نہ کہا ہو۔ ورنہ دوزخ میں جائے گا۔ اسی طرح
اس کے اثر کو زائل تو نہیں کیا ہاں گناہوں سے خفیف کر دیا۔ جیسے قتل چوری وغیرہ کی تو
میں جائے گا مگر سزا بھگت کر۔ لیکن جہنم کا ایک لمحہ کا غوطہ دنیا کی عیش و عشرت نکال کر
دے گا۔

اللہ تعالیٰ کے غفور و رحیم ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی کو سزا ہی نہ

گا۔ اس لئے کہ جہاں اللہ کی صفت غفور و رحیم ہونا ہے۔ اس کے ساتھ دوسری صفت قہار و جبار اور صادق ہونا بھی ہے۔ جو کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ ارشاد ربانی ہے کہ وہ گناہگاروں اور مشرکوں کو سزا دے گا اگر انکو سزا نہ دی گئی تو نعوذ باللہ کیا اللہ پاک نے یہ بات جھوت کہی ہے۔ حالانکہ وہ سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مایفعل اللہ ان شکرتم وانتم وکان اللہ شاکر علیما (النساء 47)

"اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم اس کے شکر گذار ہو اور کما حقہ ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ شکر کا بدلہ دینے والا اور علیم ہے" یہاں بھی ایمان کے ساتھ اسلام کے ارکان لازم قرار دیئے ہیں۔ بندہ امر و نہی پر عمل کر کے ہی شکر گزار بن سکتا ہے ورنہ فاسق و فاجر ٹھہرے گا۔ اگرچہ کلمہ کی حد تک مسلمان ہے' ایسے ہی جو مسلمان ایمان لا کر تارک اعمال ہو کر فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے اس کو تنبیہا" سزا دے کر صراط مستقیم اور توبہ کی طرف مائل کرنا یہ بھی اس کی غفور رحیمی ہے۔ تاکہ پاک صاف ہو کر اس کی جنت اور انعامات کا مستحق ہو جائے۔

پورے معاشرے میں ہر کوئی ایک دوسرے سے یہ کہتا نظر آتا ہے کہ چھوڑو جی اللہ غفور رحیم ہے۔ اللہ اپنے بندے سے ماں سے بھی ستر گنا زیادہ پیار کرتا ہے۔ ایسی میٹھی میٹھی باتیں یا تقریریں عوام کی خوشنودی کے لئے علمائے اکرام بھی کرتے اور داد حاصل کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے عوام کی اکثریت بے عملی اور بے راہ روی کا شکار ہو چکی ہے۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے لیکن اس کے کچھ تقاضے ہیں ماں سے ستر گنا سے بھی زیادہ پیار حاصل کرنے کے لئے اس کا بندہ (غلام) یا بندگی کرنے والا بننا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (العمران۔31)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفورالرحیم

"کہہ دیجئے اے پیغمبر اگر تم اللہ سے محبت و پیار کرتے ہو پس صرف میری اتباع کرو اور

اللہ تم سے محبت و پیار کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے"

اللہ تعالیٰ کی غفور رحیمی اور بخشش مشروط ہے اتباع محمد ﷺ سے۔ کیونکہ اس آیہ
میں "ان" شرطیہ ہے اور یہ یقین دلایا ہے کہ اگر سچے دل سے توبہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرو
معاف فرمادے گا۔ بعض مشرکین کو حضور اکرم ﷺ نے جب دعوت اسلام دی تو انہو
نے آپ سے عرض کیا کہ ہم اسلام کی خوبیوں سے آگاہ ہو گئے ہیں اور ہمارا دل چاہتا ہے کہ
اسلام لے آئیں۔ لیکن ہم نے ماضی میں اتنے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں کہ ہمارا یہ گمان نہیں
ہے کہ ہم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں اور ہمارے سب گناہ معاف ہو جائیں۔ اس پر قرآ
پاک کی آیت نازل ہوئی۔ جس کا ترجمہ ہے کہ "اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ جتنے بڑ
بڑے گناہ کیوں نہ کئے ہوں اللہ پاک اپنی رحمت سے معاف فرمادیں گے" سب سے بڑا گ
شرک ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں ان الشرک الظلم عظیم (سورۃ لقمان)۔ لیکن اگر سچے د
سے اس سے بھی توبہ کرلے گا تو اللہ پاک معاف فرمادیں گے۔

میں ہوں سیاہ کار غفور رحیم تو
میں ہوں خطا کار یقیناً کریم تو

الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم (آل عمران 89)

"مگر جن لوگوں نے توبہ کرلی اس کے بعد اپنی صلاح کرلی۔ پس اللہ غفور رحیم ہے"
یہاں بھی غفور و رحیمی کو توبہ استغفار کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فر
ہے۔ "بے شک اللہ ان لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ جو جہالت کی وجہ سے گناہ کرلیں۔ پ
جلدی ہی توبہ کرلیں تو اللہ ایسے لوگوں کی طرف متوبہ ہوتا ہے اور نہ توبہ قبول ہوتی ہے ا
لوگوں کی، جو برے اعمال کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت
جائے تو اس وقت کہنے لگے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے"

ان الذین امنوا والذین ہاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمت ال

والله غفور رحیم (البقرہ۔ 218)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اللہ غفور و رحیم ہے"

ایمان لانے سے اپنے خالق اور مالک سے واقفیت ہوئی۔ دوستی لگی' ہجرت سے ناراضگی کے اسباب دور ہوئے پھر کہیں بارگاہ رب العزت میں اعمال' جان و مال کے تحائف پیش کئے اور وہ قبول ہوئے۔ تو رحمت کے امیدوار بن گئے۔ اب جا کے سمجھ آئی غفور رحیمی کی۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم بھی ہے اور گناہگاروں کو سزا بھی دے گا ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ سچے دل سے توبہ کی شرائط کے ساتھ توبہ کریں گے تو اللہ پاک معاف فرمادیں گے۔ شرائط توبہ یہ ہیں کہ سچے دل سے شرمندگی و ندامت سے معافی مانگنا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا۔ اگر کسی کے حقوق غصب کئے ہیں تو ان کی ادائیگی کرنا اگر اللہ کے حقوق ہیں تو ان کی ادائیگی کرنا۔ جیسے نماز کی قضا اور زکوٰۃ وغیرہ۔

ادائیگی حقوق اور توبہ میں جلدی کرو۔ نہ معلوم موت سے قبل توبہ کی توفیق ہوتی ہے کہ نہیں۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کفر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگاہ ماہ گاہ نا امیدی نیست
صد بار گر توبہ شکستی باز آ

(مولانا رومؒ)

عجائبات حیات

(جے۔ آر تھرتھا مر

جب ہم کائنات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہزاروں حسین مناظر آنکھوں کے سامنے پر گزرنے لگتے ہیں جیسے سرخاب پرے باندھ کر اڑ رہے ہیں۔ ذرا ان عجائبات کو دیکھئے۔

1۔ کہتے ہیں کہ امریکہ کے ایک دیودار (صنوبر) سکویہ (Seqvoia) کی عمر تین ہزار سال سے زیادہ ہوتی ہے۔

2۔ برطانیہ میں ایک مچھلی لوڈیا (Lvidia) سال میں بیس کروڑ انڈے دیتی ہے۔

3۔ دلدل میں ایک پودا سنڈیو (Sundew) مکھیوں کو پکڑ کر کھا جاتا ہے۔

4۔ انسانی جسم میں جذبات کی لہر (Thrill) چار سو فٹ فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔

5۔ قطب شمالی کا ایک دریائی پرندہ ٹرن سردیوں کا موسم قطب جنوبی میں گزارتا ہے۔

6۔ وہیل مچھلی کی ایک نوع نروال (Narwhal) کا دانت چھ فٹ سے زیادہ لمبا ہوتا ہے۔

7۔ بعض پرندے ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑتے ہیں۔

8۔ کچھوے کی عمر سو سال ہوتی ہے۔

9۔ بیج میں اگنے کی صلاحیت بارہ سال تک رہتی ہے۔

10۔ مکھیاں اور بھنورے پودوں کے حمل و تولید میں وہ مہارت دکھاتی ہیں جیسے وہ علوم نباتات کی سند یافتہ ہوں۔

11۔ ایک آبی جانور جو پائروسوم (Pyrosome) کے نام سے مشہور ہے۔ اتنی روشنی دیتا ہے کہ پاس کشتی میں بیٹھا ہوا مسافر اخبار پڑھ سکتا ہے۔

12۔ ایک چھوٹا سا پرندہ ٹیٹ (Tit) پورے دو ہزار تین سو اناسی (۲۳۷۹) پروں سے اپنا گھونسلہ تیار کرتا ہے۔

13۔ ماہرین ابدان کہتے ہیں کہ اگر باریک رگوں (Capilleries) کو ایک دوسرے سے جوڑ کر سیدھا بچھایا جائے تو یہ دھاگہ بحر اوقیانوس کے ایک ساحل سے دوسرے تک (اندازاً چار ہزار میل

پہنچ جائے گا۔

14۔ کچھ چیونٹیاں دوسرے بل کی چیونٹیوں میں سے غلام پکڑ کر لاتی ہیں اور ان سے خوراک ڈھونڈنے کا کام لیتی ہیں۔

15۔ ہیضے کا ایک جرثومہ (بیکٹیریا) ایک دن میں پانچ ہزار ملین کھرب (۵ سے پہلے اکیس صفر لگایئے) بچے پیدا کرتا ہے۔

جذبہ حیرت

ہم حیران ہو جاتے ہیں

جب کسی جادوگر کا کھیل۔ سرکس میں کسی کھلاڑی کی قلابازیاں اور شیر کی پیٹھ پر کسی لڑکی کو سوار دیکھتے ہیں اور اس وقت بھی جب ہمیں تحقیق و مشاہدہ کے دوران عام اشیاء میں نظم و ضبط، حسن، مقصد اور پلان نظر آنے لگتا ہے۔ مشہور انگریز شاعر کالرج (۱۷۹۶ء ۔۔ ۱۸۴۹ء) کا قول ہے۔

Knowledge begins and ends with Wonder

(کہ علم کا آغاز بھی ہے۔ اور انجام بھی)

پہلی حیرت لاعلمی سے پیدا ہوتی ہے کہ کوئی چیز سامنے آتی ہے تو ذہن میں سینکڑوں سوال ابھرتے ہیں۔ مثلاً" کہ طوطا سبز کیوں ہے؟ اور اس کی چونچ سرخ کیوں؟ اس کا رنگ کہاں سے آیا؟ اور اس کی آواز کرخت کیوں ہے؟ اور یہ باتیں کیسے کرتا ہے؟ دوسری حیرت علم کا نتیجہ ہے۔ جب سالہا سال کی تحقیق کے بعد ہم پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ طوطا کبوتر سے مختلف کیوں ہے؟ اور اسے رنگ کہاں سے ملے؟ تو ہم خالق بے چوں کی صناعی پہ حیران ہو جاتے ہیں۔ یہ حیرت ہم میں خالق کی عظمت کا احساس پیدا کرتی ہے۔ اور ایمان و عرفان کی بنیاد بنتی ہے۔ کسی دانا نے کہا تھا۔

To a clear eye the smallest fact is a window
through which we may discover the Infinite

(صاف دیکھنے والی آنکھ کے لئے ایک چھوٹی سی حقیقت بھی ایک ایسے روزن کا کام دیتی ہے جس سے خدا نظر آنے لگے)

ایک پیغمبر (سلیمان علیہ السلام) نے فرمایا تھا

تین چیزوں پر مجھے بڑی ہی حیرت ہوتی ہے۔

اول! فضا میں ایک بھاری گدھ کیسے اڑتا ہے؟

دوم! ایک سانپ چٹان پر کیسے چڑھتا ہے؟

سوم! سمندر میں جہاز کیسے تیرتا ہے؟

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گدھ پر ہلائے بغیر ہوا میں اڑ رہا ہے اور ایک سانپ اعضاء کے
چٹان پر چڑھ رہا ہے تو ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ ہماری اس حیرت میں اس وقت مزید اضافہ ہو
جب ہمیں گدھ کی پرواز اور سانپ کے اوپر چڑھنے کی سائنسی وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔

امریکہ کے ایک شاعر وٹ مین واٹ (Whitman Walt) نے ایک نظم میں کہا تھا۔
"کائنات میں گھاس کی پتی کو وہی اہمیت حاصل ہے جو کسی ستارے کی شعاع کو۔ میرے
ایک جوڑ انسان کی بنائی ہوئی ہر مشین سے بہتر ہے۔ یہ سر جھکا کر چلنے والی گائے ہر مجسمے سے
تر ہے۔ ایک چیونٹی یا چوہے کی تخلیق اتنا بڑا اعجاز ہے کہ اگر دنیا کے ملاحدہ اس پر غور کر
کروڑوں ایمان لے آئیں"۔

ایک انگریز عالم فطرت مسٹر سی۔ ٹی۔ ہڈسن (۱۹۲۲ء) اپنی کتاب (Birds and Man
لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے اپنے بھائی کے کھیت میں سرخابوں کا ایک جوڑا اس حال میں نظر آ
مادہ زمین پر چل رہی تھی اور نر بار بار اڑ کر اور چیخ چیخ کر مادہ کو پکار رہا تھا۔ میں نے قریب جا کر
تو معلوم ہوا کہ مادہ کا ایک بازو ٹوٹا ہوا ہے وہ پیدل جا رہی ہے اور نر رشتہ محبت میں بندھا ہوا
چل رہا ہے۔ چونکہ وہ ہجرت کا موسم تھا۔ اس لئے ان کی منزل بہت دور کہیں جنوب میں
ایسے مناظر کو دیکھ کر انسان کیوں حیران نہ ہو۔

خلیہ Cell

خلیہ تمام ذوی الحیات کا بنیادی جاندار ذرہ ہے۔ یہ ہر لحاظ سے بے مثال ہے۔ یہ از خود
ہو کر ایک سے دو اور دو سے چار بن جاتا ہے۔ اس کی تقسیم بھی حیرت انگیز ہے اور ترتیب
اس کی ایک ترتیب سے خرگوش' دوسری سے ہرن اور تیسری سے شیر تیار ہوتا ہے جتنے جانور
ہی ترتیبیں اور ہر ترتیب بے عیب و مکمل ہے۔

بعض سائنس دانوں کا خیال یہ ہے کہ خلیہ تقسیم ہوتے وقت شعاع پیدا کرتی ہے۔ جس سے دوسرے خلئے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن ابھی تک اس کی پوری طرح تصدیق نہیں ہو سکی۔ بہر حال خلیہ کے متعلق جوں جوں ہمارے علم میں اضافہ ہوتا ہے ہماری حیرت بڑھتی جاتی ہے۔

زندگی

زندگی ہزار ہا رنگ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جانداروں کی پانچ لاکھ اقسام ہیں۔ بقائے اصلح کے آئین کے تحت کچھ انواع مٹ گئیں اور قانون ارتقا کے تحت بعض نئی اقسام پیدا ہو گئیں ان کے لہو کا معائنہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہر نوع کے تمام افراد میں ایک ہی قسم کا لہو پایا جاتا ہے۔ جب ماہرین نے مختلف ممالک کے گھوڑوں کا لہو خشک کر کے کرسٹلز کا معائنہ کیا تو انہیں ایک جیسا پایا۔ لیکن گدھے کے خون کے کرسٹلز بالکل مختلف نکلے۔ کوئی ہے جو اس اختلاف کی کوئی سائنسی توجیہہ پیش کر سکے؟

حیات کا ایک خاصہ افزائش ہے۔ یہ اس دریا کی طرح ہے جو بار بار کناروں سے اچھل جائے۔ انگلستان کے ایک پودے کے ساتھ ہر سال صرف دو بیج لگتے ہیں۔ اگر ان بیجوں کو زمین میں دبا دیا جائے۔ تو اکیس سال میں پودوں کی تعداد دس لاکھ سے بڑھ جائے گی۔ حیات کا ایک اور خاصہ اس کا ہر جگہ موجود ہونا ہے۔ زمین کے اوپر' زمین کے اندر' سمندر کی تہہ میں قطبین کی برفوں میں اور پہاڑوں کی بلندی پر ہر جگہ زندگی پائی جاتی ہے۔ اور ایسے ایسے کرشمے دکھاتی ہے کہ انسان حیرت میں کھو جاتا ہے۔ سمندروں کا ایک پرندہ پطریل (Petrel) ہمیشہ اڑتا رہتا ہے اور صرف کھانے پینے کے لئے زمین پر اترتا ہے۔ برفانی چوہا (Snow Vole) کم از کم چار ہزار فٹ کی بلندی پر رہتا ہے۔ اور نیچے نہیں آتا۔ اس مضمون کے آغاز میں بھی ہم چند عجائبات کا ذکر کر چکے ہیں۔ ان پر غور کرنے کے بعد ہم ایک ہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ خدا کے تخیل میں بڑی ندرت' رنگینی اور جدت ہے۔

حیات کی ایک اور خصوصیت ماحول سے نباہ ہے۔ ہر زندہ چیز ہزار ہا تبدیلیوں سے گزر کر موجودہ حالت تک پہنچی ہے۔ اور اب وہ ان تمام تبدیلیوں کا مجموعہ نظر آتی ہے۔ چھچھوندر (کورموش) عموماً بل میں رہتی ہے۔ اس ماحول اور طرز حیات کی وجہ سے اس میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ مثلاً اس کا لمبوترا جسم۔ نیلی تھوتھنی۔ کڑچھے کی طرح ہاتھ اور مضبوط اعصاب۔

یہی حال چیونٹی سے وہیل تک تمام جانوروں کا ہے۔ درست کہا تھا جرمنی کے عالم نباتات ویسمن آگست نے۔

"اگر آپ وہیل سے ارتقائی تبدیلیاں لے لیں۔ تو باقی کچھ بھی نہیں رہے گا"

حسن

کائنات میں چار سو حسن بکھرا پڑا ہے۔ یہ ناچتے ہوئے پھول' یہ مسکراتے ہوئے تارے گنگناتی ہوائیں' مست گھٹائیں' لہراتی ہوائی بجلیاں' گاتی ہوئی ندیاں' رو پہلی چاندنی' سنہری دھوپ' خمار آلود شامیں' سرمئی راتیں' جلوے ہی جلوے' نغمے ہی نغمے' طور کا عالم' ایمن کا منظر یوں معلوم ہوتا ہے کہ کائنات نے قوس قزح سے رنگینی اور کہکشاں سے روشنی مستعار لے لی ہے۔ درست کہا تھا ایمرسن نے۔

"مجھے ہولے ہولے گرنی والی برف' بہاروں کے نظر نواز مناظر اور ستاروں کی چمک دمک سے اتنی مسرت نہیں ہوتی۔ جتنی اس حقیقت سے کہ یہ کائنات حسن میں اسی طرح ڈوبی ہوئی ہے جیسے سمندر میں صدف"

حسن کے علاوہ مصنوعات فطرت میں بلا کی نزاکت' لطافت اور پیچیدگی پائی جاتی ہے۔ وہیل کے صرف ایک بال تک غذا پہنچانے کے لئے چار سو نسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ انسانی دماغ کروڑ ہا کروڑ اعصابی خلیوں اور جواہر (ایٹم) سے مرکب ہے۔ درختوں اور پھولوں پر بعض اوقات ایسی باریک مکھیاں اڑتی نظر آتی ہیں کہ ہمیں ان کے پر' سر اور پاؤں تک دکھائی نہیں دیتے۔ اور باایں ہمہ وہ ہر لحاظ سے مکمل ہوتی ہیں۔ ان کے پیٹ میں انتڑیاں' سینے میں دل اور سر میں بھیجا ہوتا ہے۔ یہ کھاتی' چلتی' اڑتی اور سوتی ہیں۔ نہ جانے صانع مطلق نے ان باریک ٹانگیں اور پر بنانے کے لئے کون سے آلات استعمال کئے تھے۔ انسانی جسم کا پٹھا دو خوبیوں کا حامل ہے۔ اول۔ اس میں کام کرنے کی طاقت انسان کی بنائی ہوئی مشین سے زیادہ ہے۔ دوم۔ گرمی میں یہ بہت کم ضائع ہوتی ہے۔

برطانیہ کا شہرہ آفاق عالم تشریح سر آتھر کیتھ (۱۸۶۶ء -- ۱۹۵۵ء) اپنی کتاب Engines of the Human Bodies میں لکھتا ہے کہ جب ہم قدم اٹھاتے ہیں تو ایک لاکھ

جسم کو سہارا دیتی ہے اور دوسری آگے بڑھتی ہے۔ اس عمل میں تقریباً" ایک سو آٹھ پٹھے کام کرتے ہیں۔ کمال صناعی دیکھئے کہ ہمیں پٹھوں کے مڑنے، پھیلنے اور سکڑنے کا احساس تک نہیں ہوتا۔

اعضائے بدن کے اعمال، باہمی تعاون اور ہم آہنگی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس تعاون میں اعضاء کا اپنا ارادہ بھی شامل ہے۔ یہ تمام ایک مشین کی طرح کسی ایک مقصد کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ایک کارفیکٹری میں مختلف پرزے مختلف فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ کوئی پیچ بناتا ہے۔ کوئی گراری اور کوئی شافٹ۔ لیکن مقصد سب کا ایک ہوتا ہے۔ یعنی کار کی تکمیل۔

انسان کی بنائی ہوئی کوئی مشین نہ تو از خود چلتی اور نہ اپنی مرمت کر سکتی ہے لیکن حیوانی مشین اپنی مرمت، دیکھ بھال اور سلجھاؤ خود بخود کرتی ہے یہ ازل سے مادے کو توانائی میں اور توانائی کو مادے میں تبدیل کر رہی ہے اور اس میں ہماری کوششیں شامل نہیں۔ اگر ہم آغاز آفرینش کا سراغ لگانے کے لئے ماضی کی طرف بڑھیں تو ہم اولین جرثومہ حیات یعنی امیبا تک جا پہنچیں گے۔ اس سے پرے کیا تھا؟ سائنس کہے گی "آرڈر آف نیچر" یہ نہایت مہمل اور بے کار جواب ہے۔ فلسفی اور اہل مذہب کہیں گے "خدا" لیکن یہ جواب سائنس کو پسند نہیں آئے گا۔ کیونکہ سائنس کا تعلق صرف مادی حقائق سے ہے اور وہ ان حدود سے باہر جانے کو آمادہ نہیں۔ برطانیہ کے مشہور سیاست دان اور فلسفی لارڈ بالفور (۱۸۴۸۔۔۔۱۹۳۰) کا قول ہے۔

"اس میں شک نہیں کہ خدا کائنات کا خالق ہے۔ لیکن اس نے اسے کیسے پیدا کیا اور کس طرح سنبھالا۔ ہم نہیں جانتے۔"

کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی لنڈن کی ایک ایسی دکان میں جا گھسا۔ جہاں مشین کے ذریعے انڈوں سے بچے نکالے جا رہے تھے۔ اس نے بڑے غور سے چند بچوں کو انڈوں سے نکلتے دیکھا اور پھر چلا اٹھا۔

After This there is no use telling me that there is no God

(اس کے بعد مجھ سے یہ کہنا کہ خدا کوئی نہیں۔ بے کار ہے)

اس دیہاتی کی حیرت بڑی نتیجہ خیز تھی۔ کہ چوزے سے چوزے کے خالق تک پہنچ گیا۔ دنیا کا بڑے سے بڑا فاضل یہ بتانے سے قاصر ہے کہ انڈے کی زردی اور سفیدی سے چوزہ کیسے بن جاتا ہے۔ مکڑی کا بچہ بڑا ہو کر پہلی مرتبہ کسی استاد کی مدد کے بغیر جالا کیسے بن لیتا ہے اور نحل شہد کیسے بنا

لیتی ہے؟ ماہرین یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ اس کی وجہ جبلت (Insitict) ہے اور یہ نہیں بتا
کہ جبلت کیا چیز ہے؟ اور اس میں اتنی دانش کہاں سے آ گئی۔ کہ اس نے نحل کو شہد بنانا، مکڑی
جالا بننا، دیمک کو سرنگ تیار کرنا، عقاب کو جھپٹنا اور سانپ کو رینگنا سکھایا۔

حیات من حیث المجموع آج جس منزل پہ پہنچی ہے۔ اس میں ارتقاء کا حصہ بھی ہے۔ ار
کے خواص چار ہیں۔ تنوع یا تبدیلی۔ توارث۔ جدوجہد اور انتخاب۔ کائنات کی ہر شے میں تدر
تبدیلی آ رہی ہے۔ اسے اپنی نوع کے تمام اعمال و اوصاف وراثت میں ملتے ہیں۔ یہ زندہ رہنے
لئے پوری کوشش کرتی ہے۔ اور آئین بقائے اصلح کے تحت صرف وہی اشیاء باقی رہتی ہیں جن
زندگی کی صلاحیت موجود ہو۔ ارتقاحیات کا سب سے بڑا عجوبہ ہے۔ جوں جوں ارتقاء کے مختلف
سامنے آ رہے ہیں یہ خیال "کہ زندگی محض اتفاقات کا نام ہے" مٹتا جا رہا ہے۔ سالہا سال کے مطا
مشاہدہ کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ارتقا سفر بے منزل کا نہیں۔ بلکہ اس کے سامنے ایک
نصب العین ہے۔

ہمارے ذہن میں کچھ ایسے سوالات بھی ہیں جن کا کوئی جواب کہیں سے نہیں ملتا۔ مثلاً
دانش کیا چیز ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ اگر اسے عناصر کے ردوبدل کا نتیجہ قرار دیا جائے تو پھر
کو بھی مادہ کی بیٹی سمجھنا پڑے گا۔ جرمنی کے ممتاز فلسفی گوئٹے (۱۷۴۹۔۔ ۱۸۳۲ء) کا قول ہے

The Whole Purpose of The wrorld Seemstobeto
Provideaphysicalbasis for thegrowthofspirit

(کائنات کی کوشش) اور مقصد یہ ہے کہ روح کی بالیدگی کے لئے مادی بنیاد فراہم کرے۔
حیات کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے سے ہمارے علم، دانش اور حیرت میں اضافہ ہوتا۔
اور زندگی کا حسن انہی سے ہے۔

بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ حیوانات میں بھی دماغ موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اتنا
پختہ اور ترقی یافتہ نہ ہو۔ جتنا انسان کا۔ کہیں یہ دماغ ایک ہلکی سی آبجو ہے اور کہیں ایک تند آب
ہم میں اور حیوانات میں دماغ بھی ایک رشتہ اشتراک ہے اور شاید انسان اور دانش اعلیٰ میں
رشتہ موجود ہے۔ اس کائنات کا ہر منظر اتنا حسین ہے کہ جب ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں تو حیرت
ڈوب جاتے ہیں اور یہی حیرت مقصود نظر ہے۔

امریکہ کی ایک درسگاہ کے بیرونی گیٹ پر یہ دعا لکھی ہوئی ہے۔

Open Thou mine eyes that I may behold wonders of thy creation

(اے خدا میری آنکھیں کھول کہ میں تیری تخلیق کے عجائبات دیکھ سکوں)

ازدون! ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا و بث فیھا من کل دابتہ و تصریف الریح والسحاب المسخر بین السماء والارض لایت لقوم یعقلون (بقرہ 164)

"زمین و آسمان کی پیدائش، شب و روز کے اختلاف سمندروں میں فائدہ رساں اشیاء لے کر چلنے والے جہازوں، زمین کو زندگی دینے والی اور مویشیوں میں اضافہ کرنے والی بارشوں، سمت بدل بدل کر چلنے والی ہواؤں اور فضا میں معلق گھٹاؤں میں اہل دانش کے لئے کتنی ہی آیات موجود ہیں"۔

(تلخیص و ترجمہ۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ بحوالہ۔ عظیم کائنات کا عظیم خدا)

صانع کی عظمت و معرفت

(حجتہ الاسلام امام محمد الغز

اصل بات یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے اندر کئی طرح کی قوتیں مشغول عمل
اور تو ہے کہ خواب خرگوش میں پڑا ہوا ہے۔ تو نہ تو ان قوتوں کو جانتا ہے اور نہ ہی اللہ کا احسان ما
جس نے انہیں پیدا کیا۔ اگر کوئی شخص اپنا خادم تیری خدمت کے لئے صرف ایک دن کے لئے بھیج د
تمام عمر تو اس کا شکر گذار رہے گا لیکن جس ذات نے تیرے اندر کئی پیشہ ور تیری خدمت کے لئے
کئے ہیں جو تیری خدمت سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے اسے تو یاد نہیں کرتا۔ بدن کی تر
اور انسانی اعضا کی منفعت جاننے کا نام علم تشریح ہے اور یہ بہت بڑا علم ہے۔ لیکن مخلوق اسے نہ پڑھتی
نہ جانتی ہے اور جو پڑھتا ہے تو محض اس لئے کہ علم طب میں استاد ہو جائے۔ ہاں اگر کوئی شخص اللہ
کی عجیب عجیب صنعتیں دیکھنے کی غرض سے اس علم کا مطالعہ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے
تو معلوم ہی ہو جائیں گی۔ ایک تو یہ کہ اس قالب کا بنانے والا اور اس جسم کا پیدا کرنے والا اتنا صا
قدرت ہے کہ اس کی قدرت میں نقصان کا شائبہ تک نہیں اور عاجزی اس کے قریب تک نہیں پھٹکی
جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور دنیا میں اس سے زیادہ کوئی عجوبہ نہیں کہ ایک قطرہ پانی سے ایسا جسم پیدا کر
ہے اور جو اس عجوبہ پر قادر ہے وہ مرنے کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ دوسری صفت یہ معلو
گی کہ وہ خالق اکبر ایسا عالم ہے کہ اس کا علم تمام اشیاء کو محیط ہے کیونکہ یہ عجائبات اپنی عجیب و غ
حکمتوں کے ساتھ کمال علم کے بغیر ممکن نہیں۔ تیسری صفت یہ معلوم ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت
لطف و رحمت اپنے بندوں پر بے حساب ہے کیونکہ بندہ کو جس جس کی ضرورت تھی وہ بھی پیدا کر دی
کہ جگر، دل اور دماغ حیوان کی اصل ہیں وہ بھی عنایت فرمائیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی ضرو
نہیں فقط حاجت ہے مثلاً" ہاتھ، پاؤں اور زبان وہ بھی عطا فرمائیں۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن
ضرورت تھی نہ حاجت مگر ان پر زینت کا دارومدار تھا وہ بھی عنایت فرمائیں مثلاً" بالوں کی سیاہی، لبو
سرخی، ابروؤں کا نشان اور آنکھوں اور پلکوں کی ہمواری۔ یہ سب چیزیں محض اس لئے عنایت فرمائیں
ان سے آدمی زیادہ بھلا معلوم ہو اور یہ لطف و کرم محض آدمی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سب مخلوقات
ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ بھڑ، شہد کی مکھی اور عام مکھی کو بھی جن چیزوں کی ضرورت تھی انہیں

فرمائیں اور ان کی ظاہری صورت اچھے اچھے نقشوں سے آراستہ کی تو عمدہ سے عمدہ رنگوں اور نمونوں سے پیراستہ کیا۔ جہاں تک آدمی کی تخلیق کا تعلق ہے اسے تفصیل سے اور پورے غور سے دیکھنا اللہ تعالیٰ کی صفات کو پہچاننے کی کنجی ہے اور اسی لئے علم تشریح کی عظمت ہے۔

اسی طرح شعر، تصنیف اور کسی صنعت کو تو جتنا زیادہ جانتا ہے اتنا ہی شاعر، مصنف اور صانع کی عظمت دریافت کرنے کی کنجی ہے اور یہ علم بھی معرفت نفس کا راستہ ہے۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ علم دل کی بہ نسبت تنگ اور چھوٹا ہے۔ اس واسطے کہ یہ بدن کا علم ہے۔ بدن سواری کی مانند جب کہ دل یعنی روح سوار کی طرح ہے اور پیدا کرنے سے سواری مقصود نہیں بلکہ سواری مقصود ہے۔ گھوڑا سوار کے لئے ہوتا ہے نہ کہ سوار گھوڑے کے لئے۔

اس لئے تو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ کوئی چیز تیری اپنی ذات سے زیادہ تیرے نزدیک نہیں لیکن اس کے باوجود تو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ اور جو اپنے آپ کو تو نہ پہچانے لیکن دوسروں کو پہچاننے کا دعویٰ کرے وہ اس مفلس کی طرح ہے جو اپنا پیٹ تو بھر نہیں سکتا اور دعویٰ یہ کرتا ہے کہ شہر کے تمام محتاج اس کے دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کا دعویٰ بیہودہ اور تعجب کا باعث ہوگا۔

ان تفصیلات کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو معلوم ہو جائے کہ اس کا دل کتنا باعظمت اور صاحب شرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت تجھے عطا فرمائی اور اسے تجھ سے پوشیدہ رکھا۔ اگر تو اس کی تلاش نہیں کریگا اور اس کو ضائع کر دیگا اور اس سے غافل رہے گا تو یہ بڑے خسارے کی بات ہوگی۔ پس بڑا کام یہ ہے کہ خوب جدوجہد کر اور اس نعمت کی حقیقت کو جان اور اسے دنیا کے مشغلہ سے نکال کر بزرگی کے درجہ پر پہنچا تاکہ اس جہان میں بزرگی اور عزت ظاہر ہو۔ یعنی تو ایسی خوشی دیکھے جس کے بعد رنج نہ ہو۔ ایسی بقاء تجھے نصیب ہو جس کے بعد زوال سے پالا نہ پڑے اور تو ایسی قدرت سے مالا مال ہو جس کے بعد عاجزی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ اور بے شبہ معرفت نصیب ہو اور ایسا جمال تیرا مقدر ہو جس میں کسی قسم کی کدورت نہ ہو۔ اس جہاں میں دل کی بزرگی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس جہان میں حقیقی عزت اور شرافت پانے کی صلاحیت و اہلیت حاصل کر لے نہیں تو اس سے زیادہ عاجزی اور نقص اور کوئی نہیں کہ گرمی، سردی، بھوک، پیاس، بیماری، دکھ اور درد و غم میں پھنسا رہے۔ جس چیز میں بظاہر لذت و راحت ہے وہی اس کے لئے موجب نقصان ہے اور جو چیز اس کو حقیقی نفع پہنچانے والی ہے وہ رنج اور تلخی سے خالی نہیں۔

آدمی کے علم کی طرف اگر دیکھا جائے تو اس سے زیادہ کوئی جاہل نہیں کہ اگر اس کے دماغ کی ایک رگ بھی ٹیڑھی ہو جائے تو ہلاکت اور جنون کا اندیشہ ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس کا سبب اور علاج کیا

ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کی دوا اس کے سامنے ہوتی ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ یہی میری دوا
ہے۔ اگر آدمی کی قوت اور قدرت کا خیال کیا جائے تو اس سے زیادہ کوئی عاجز نہیں کہ ایک مکھی پر قابو
نہیں پا سکتا۔ اگر ایک شیر کو اللہ تعالیٰ اس پر مسلط کر دے تو اس سے ہلاک ہو جاتا ہے اور اگر ایک بھڑ اس
کو ڈنک مار دے تو بیقرار ہو جاتا ہے۔ اگر بھوک کے وقت ایک نوالہ اسے نہ ملے تو بدحواس ہو جاتا ہے۔
اگر آدمی کی ہمت کی طرف دیکھا جائے کہ ایک دانگ چاندی کا نقصان ہو جائے تو ملول اور پریشان ہو جاتا
ہے۔ اگر آدمی کے جمال اور صورت کا خیال کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ نجاست کے ڈھیر پر ایک چمڑا
شامیانے کی مانند تان دیا گیا ہے۔ اگر چند دن آدمی اپنا بدن نہ دھوئے تو ایسی ایسی خرابیاں ظاہر ہوں کہ
اپنے آپ سے اکتا جائے۔ بدن سے بو آنے لگے اور نہایت رسوا ہو۔ آدمی سے زیادہ کوئی گندی چیز نہیں
ہے اس واسطے کہ اس کے اندر ہمیشہ نجاست رہتی ہے اور یہ اسے اٹھائے پھرتا ہے۔

ایک حکایت نقل کی گئی ہے کہ ایک دن شیخ ابو سعید قدس سرہ صوفیوں کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے۔
ایک مقام پر جو پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ سنڈاس صاف کرنے کا کام کرتے ہیں۔ راستہ میں نجاست پڑی
ہے۔ تمام لوگ ناک بند کر کے ایک طرف بھاگے لیکن شیخ وہیں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اے لوگو!
نجاست مجھ سے کیا کہہ رہی ہے۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ یہ کہہ رہی ہے کہ میں کل تک بازار میں تھی
یعنی میوہ اور مٹھائی وغیرہ کی صورت میں۔ سب لوگ مجھے حاصل کرنے کے لئے پیسہ بہاتے تھے۔ شب بھر
ان کے پیٹ میں رہی تو متعفن اور نجس ہو گئی۔ مجھے تم سے بھاگنا چاہیے یا تمہیں مجھ سے؟ حقیقت یہ ہے
کہ آدمی اس دنیا میں بالکل ناقص، عاجز اور بے کس ہے۔ قیامت میں اس کی گرم بازاری ہو گی۔ اگر
کیمیائے سعادت کو دل میں جگہ دے گا تو پھر چارپایوں کے مرتبہ سے نکل کر فرشتوں کے درجہ تک پہنچے
گا۔ اگر دنیا اور نفس کی خواہشات کی طرف متوجہ ہو گا تو کل قیامت میں کتے اور سور اس سے بہتر ہوں گے
کیونکہ وہ خاک ہو کر رنج و محن سے نجات پائیں گے لیکن انسان عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ مقصد یہ ہے
کہ جب انسان نے اپنی بزرگی پہچانی ہے وہاں اپنی بے چارگی اور بے کسی بھی پہچانے۔ اس واسطے کہ اپنے
نفس کو اس طرح پہچاننا معرفت الٰہی کی کنجی ہے۔ (ماخوذ: کیمیائے سعادت) (مرسلہ: شیخ محمد اسلم

زندگی اور موت کا سوال

جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ بر حق اور ہمارا قرآن اللہ تعالےٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے ؟

جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مدد گار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں ؟

مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے ؟

ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جارہا ہے ؟

نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں ؟

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (اردو۔انگلش)	چراغ راہ	حقیقت وحدت الوجود
260 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور 300 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور قیمت -/25 روپے

ملنے کا پتہ
- ادارہ اسلامیات 190 نئی انارکلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوا اکیڈمی پلاٹ نمبر S.T'9 بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی

براہ راست ہم سے بذریعہ وی پی پی منگوائیں تو ڈاک خرچ ہمارے ذمہ ہوگا۔

- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 600 گوجرانوالہ
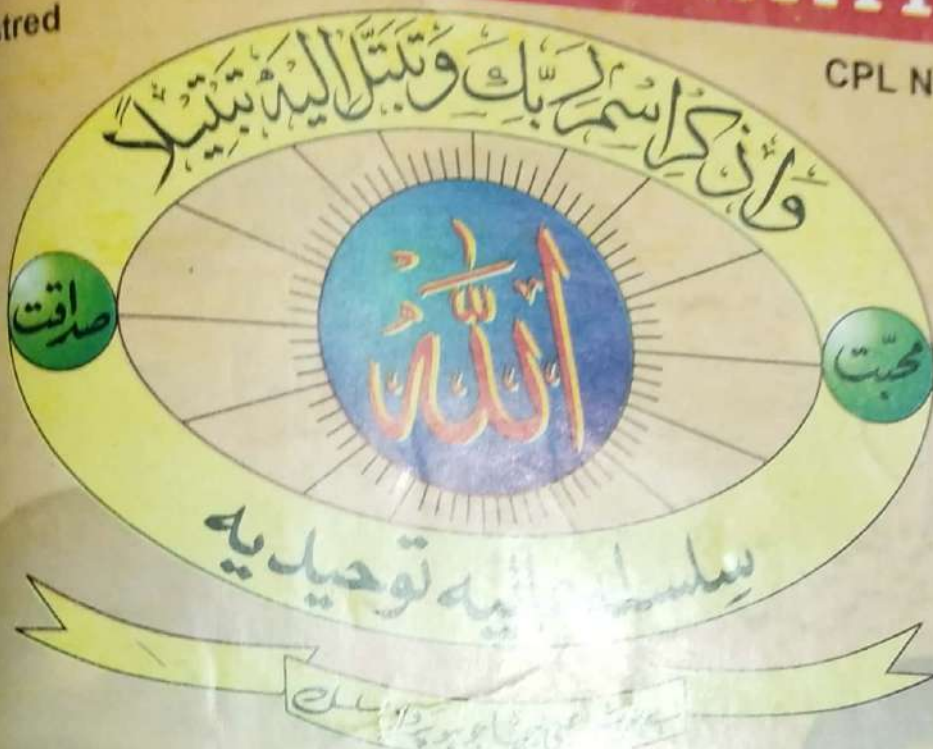
FALAH-E-ADMIAT
gistred
CPL No. 491
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا
اللہ
صداقت
محبت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
سلسلہ کی تصانیف
"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری "سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین
تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ
قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم، نشیب و فراز اس
پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب
روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات
اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسا
جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔
☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔
☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔
☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟
☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔
☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔
☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔
☆ یوگا، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت
☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟
☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟